ممبران کے لئے

میڈیا مانیٹر

مئی ۔ جون 2009 نیوزلیٹر

اس شمارہ میں

اداریہ 1
ٹی وی مالکان حکومت کے کروڑوں روپے ہضم کر گئے 2
نشریاتی اداروں اور کیبل ٹی وی آپریٹروں
کے لئے پیمرا کا ضابطۂ اخلاق 3
ذمہ دار میڈیا کی تشکیل کیسے ہوگی؟ 4
کیا میڈیا عوامی اعتماد کھو رہا ہے؟ 5
پاکستان میں متبادل میڈیا کی ضرورت کیوں؟ 6
پریس کونسل آف پاکستان 7
پریس کونسل آف انڈیا کی صحافیوں پر
بے جا عنایات کے بارے میں رپورٹ 8
ہمارے میڈیا کی آزادی صحافیوں کے
بجائے مالکان تک جا پہنچی ہے 10
سٹیزنز میڈیا واچ گروپس کی
تشکیل اور جائزہ میٹنگز 12
ٹائم میگزین کا پاکستانی میڈیا پر تبصرہ 15

سوسائٹی فار آلٹرنیٹو میڈیا اینڈ ریسرچ

(Society for Alternative Media and Research)

عوام پر مرکوز میڈیا کی شدید ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ملک اور معاشرے میں سماجی تبدیلی اور انصاف کے علمبردار کچھ لوگوں نے اسلام آباد میں سوسائٹی فار آلٹرنیٹو میڈیا اینڈ ریسرچ (Society for Alternative Media and Research) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو سوسائٹیز ایکٹ 1860 کے تحت رجسٹرڈ ہے جس کا مقصد عوامی مسائل کے بارے میں عوامی نقطۂ نظر کو مناسب انداز میں پیش کرنا ہے تاکہ وسیع البنیاد جمہوری مباحثے اور عمل کو فروغ ملے۔ اس گروپ میں عوامی حقوق کے سرگرم رکن، امن کے حامی، ماہرین، تحفظ ماحولیات کے کارکن، میڈیا اور صحافت سے وابستہ لوگ شامل ہیں جو ''مال کماؤ'' ایجنڈے پر عمل پیرا مقتدر میڈیا کو لوٹ مار میں ملوث حکمران طبقات کا حصہ سمجھتے ہیں۔

SAMAR کی رہنمائی ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کرتا ہے جس کا یقین ہے کہ حقیقی علمی پس منظر کے بغیر میڈیا فوری اور مروجہ کوتاہ نظری کا شکار ہو جاتا ہے اسے میڈیا کے متبادل تصور پر یقین رکھنے والے صحافیوں اور محققین کی ٹیم چلا رہی ہے جسے متبادل پرنٹ اور الیکٹرانک مواد کی تیاری کا تجربہ ہے۔

ایڈیٹوریل بورڈ: حارث خلیق، عبدالقادر، نبیلہ اسلم
چیف ایڈیٹر: مظہر عارف ۔ ایڈیٹر: ارشد رضوی۔
پبلشر: سوسائٹی فار آلٹرنیٹو میڈیا اینڈ ریسرچ۔
پرنٹرز: منزل پرنٹرز اسلام آباد

پاکستان میں اخلاقیات پر مبنی صحافت کا فروغ ۔ ایک مسئلہ

پاکستان دنیا کا شاید واحد ملک ہے جہاں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند نہیں۔ الیکٹرانک میڈیا کی ریگولیشن کے لئے ایک ادارہ، پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیشن اتھارٹی (پیمرا) موجود ہے۔ جس کی کارکردگی کا یہ عالم ہے کہ اسے حال ہی میں نجی ٹی وی چینلز اور ریڈیو پروگراموں کی مانیٹرنگ کے لئے ایک پرائیویٹ فرم کو ٹھیکہ دینا پڑا ہے اور ایک اخباری اطلاع کے مطابق، پیمرا کے چیئرمین نے یہ انکشاف اور اعتراف کیا ہے کہ اب تک کسی بھی نجی ٹی وی چینل اور ریڈیو کے مالک نے اپنی مجموعی آمدنی کا پانچ فیصد حکومت کے خزانے میں نہیں جمع کرایا جو چینل کے لائسنس کی ایک لازمی شق ہے اور جس کی مسلسل خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔

لگتا یوں ہے کہ پاکستان میں پرنٹ میڈیا کسی بھی طرح کی ریگولیشن کے حق میں نہیں۔ پچھلی نصف صدی سے اخبارات اور صحافیوں کے لئے ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن اب تک یہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔ 1959 میں رپورٹروں اور ایڈیٹروں (جب ایڈیٹر پیشہ ور صحافی تھے) نے پرنٹ میڈیا کے لئے کچھ قواعد و ضوابط کی ضرورت کا اظہار کیا اور ایک 13 نکاتی مسودہ تیار کیا۔ جنرل ایوب خان کی مارشل لا حکومت نے اس سلسلے میں ایک پریس کمیشن قائم کیا جس نے تفصیلی بحث مباحثے کے بعد پرنٹ میڈیا کو ریگولیٹ کرنے کے لئے ایک پریس کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی۔ جس کے مطابق پریس کونسل اخباری مالکان، ایڈیٹروں اور عامل صحافیوں کے پانچ پانچ نمائندوں، یونیورسٹیوں کے دو پروفیسروں اور اس کے برابر سرکاری افسروں پر مشتمل ہونا تھی جبکہ ہائی کورٹ کے ایک جج کو اس کا چیئرمین مقرر ہونا تھا۔ تاہم یہ پریس کونسل قائم نہ ہو سکی کیونکہ مالکان اور صحافیوں نے تجویز سے اتفاق نہ کیا۔

1980 میں، ایک اور طویل مارشل لا کے دوران، کونسل آف نیوز پیپر ایڈیٹرز نے اپنے طور پر ایک ضابطۂ اخلاق تیار کیا اور بانئ پاکستان کے مزار پر اس ضابطۂ اخلاق کا پابند رہنے کا عہد کیا۔ یہ ضابطۂ اخلاق 14 نکات پر مشتمل تھا۔ لیکن بوجود اس پر بھی عمل نہ ہو سکا۔

2002 میں مشرف حکومت نے پریس کونسل آف پاکستان کے قیام کا اعلان کیا۔ جس میں اخبارات اور صحافیوں کو ایک ضابطۂ اخلاق کا پابند بھی بنایا گیا ہے۔ اخباری مالکان اور صحافیوں نے کونسل کی کئی شقوں کی مخالفت کی اور اسے آزادئ صحافت کے منافی قرار دیا۔ اس پر طویل بحث مباحثہ جاری رہا۔ پریس کونسل کے آرڈیننس کے مطابق اب تک سپریم کورٹ کے دو فاضل جج نامکمل کونسل کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔ کیونکہ اخباری مالکان اور صحافیوں نے کونسل کے لئے اپنے نمائندے نامزد نہیں کئے۔ سپریم کورٹ کے موجودہ جج جسٹس جاوید اقبال سپریم کورٹ میں بحال ہونے سے قبل پریس کونسل کے چیئرمین تھے۔ جس کا عملاً کوئی وجود نہ ہے، چنانچہ صحافیوں کے لئے کوئی ضابطۂ اخلاق بھی نہیں۔

اخبارات اور صحافیوں کے لئے کوئی قاعدہ و قانون نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب اخبارات مادر پدر آزاد ہیں۔ خبر سازی، رسواکن اور غیر مصدقہ مواد کی اشاعت روز کا معمول ہے۔ افواہوں اور قیاس آرائیوں کو حقائق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ نجی زندگیوں میں مداخلت کو حق سمجھ لیا گیا ہے۔ نسلی و مذہبی جذبات کو بھڑکا کر تعصبات کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ وہ عناصر جو پاکستان اور اس کے آئین کو نہیں مانتے اور پاکستانی مسلح افواج پر حملے کرتے ہیں انہیں ہیرو بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ گو میڈیا کے اس رویے سے اخبارات اور صحافیوں کی اپنی ساکھ مجروح ہوئی ہے۔ خبر سے قاری کا اعتماد اٹھ گیا ہے اور یہی وہ بات ہے جو صحافت اور صحافی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ پبلک سروس نہ سہی کمرشل مفادات کا تحفظ بھی اس میں ہے کہ خبر پر قاری کا اعتماد بحال رہے اور اخبارات کی سرکولیشن متاثر نہ ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معیار، پروفیشنلزم اور سچائی کو واپس صحافت میں لایا جائے۔ سوسائٹی کے کمزور اور محروم طبقات کی آواز کے لئے بھی گنجائش پیدا کی جائے۔ میڈیا اس وقت بہت طاقتور ہے، مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی ضابطۂ اخلاق پر عمل نہیں کروا سکے تو ایک کمزور سویلین حکومت کیا کر سکتی ہے۔ البتہ صحافیوں کو از خود چاہیے کہ وہ اپنے پیشے کے تحفظ کے لئے اور اپنے لئے ضابطۂ اخلاق مرتب کریں اور اس پر عملدرآمد بھی کریں۔

انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس (آئی ایف جے) نے پاکستانی میڈیا کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے متعدد اصلاحات تجویز کی تھیں جن کی پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس نے 15 مارچ 2008 کو اسلام آباد میں منعقدہ اپنے اجلاس میں توثیق بھی کی تھی۔ آئی ایف جے کی سفارشات کے مطابق پریس کونسل کو آزاد بنانے اور صحافت کا صحافیوں کی جانب سے احتساب کے اقدامات سمیت میڈیا کی سیلف ریگولیشن کو مستحکم کیا جائے، اخلاقیات پر مبنی صحافت کے اصولوں کے ذریعے میڈیا میں پروفیشنلزم کو تقویت دینے کے اقدامات کئے جائیں اور پبلک سروس کی اقدار کے ساتھ وابستگی کی تجدید کی جائے۔ آئی ایف جے نے ان سفارشات کے ساتھ صحافیوں کے سٹیٹس اور حالات کار کو بہتر بنانے اور فریڈم آف ایسوسی ایشن اور صحافیوں اور میڈیا سٹاف کی یونین میں نمائندگی کو یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ علاوہ ازیں صحافیوں کی بین الاقوامی تنظیم نے میڈیا کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے صحافت کا پیشہ اختیار کرنے سے قبل اور کریئر کے دوران صحافیوں کے لئے پروفیشنل ٹریننگ پروگرام تیار کرنے کی بھی سفارش کی۔

پاکستان میں میڈیا آج جس نہج پر ہے، ضروری ہے کہ انٹرنیشنل فیڈریشن آف جرنلسٹس (آئی ایف جے) کی سفارشات کو سنجیدگی سے لیا جائے۔ میڈیا مالکان اور صحافی، صحافت اور پیشۂ صحافت کی ساکھ اور صحافت پر عوام کے اعتماد کو برقرار رکھنے کے لئے ان سفارشات پر عملدرآمد کی راہ نکالیں۔

(چیف ایڈیٹر)

ٹی وی مالکان حکومت کے کروڑوں روپے ہضم کر گئے

(میڈیا مانیٹر ڈیسک)

اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق چیئرمین پیمرا نے یہ انکشاف کیا ہے کہ تمام ٹی وی چینلز اپنی گراس انکم کا 5فیصد سالانہ حکومت کو دینے کے پابند ہیں مگران کے کہنے کے مطابق کبھی کسی ٹی وی چینل یا ریڈیو نے یہ رقم حکومت یا پیمرا کو ادا نہیں کی۔ چیئرمین پیمرا کے مطابق انہوں نے سیکورٹی ایکسچینج کمیشن آف پاکستان کو اس بارے میں ایک خط بھی لکھا ہے۔ خبر کے مطابق اب پیمرا کسی پرائیویٹ کمپنی کی خدمات حاصل کر رہا ہے تاکہ ٹی وی چینلز کو مانیٹر کیا جائے۔ پیمرا کیا ہے؟ اس کی ذمہ داریاں اور دائرہ کار کے حوالے سے اور اس خبر کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔

پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی جس کا مخفف پیمرا (PEMRA) ہے، نے ایک پرائیویٹ کمپنی TRASE کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پیمرا اس کمپنی سے درج ذیل کام لے گا:

پرائیویٹ ٹی وی نیوز چینلز کی نشریات کو مانیٹر کرنے کیلئے تاکہ ان ٹی وی چینلز کو پیمرا کے قوانین اور پالیسیوں پر عمل پیرا کیا جائے۔

ایگریمنٹ کے مطابق یہ کمپنی ان ٹی وی نیوز چینلز کے پروگرام اور اشتہارات کو مانیٹر کرے گی۔

ٹی وی چینلز کی "نشریات" مانیٹر کرنے کا مطلب تمام تر نشریات لیا جا سکتا ہے مگر اس کی وضاحت کے مطابق "پروگرام اور اشتہارات" مانیٹر کرنے کی بات ہوئی ہے۔ اس طرح خبر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پیمرا ریگولیشنز کے مطابق تمام ٹی وی چینلز اس قانون کے پابند ہیں (یا ہونے چاہئیں) کہ وہ ایک گھنٹے کی نشریات میں صرف 12 منٹ دورانیے کے اشتہار چلا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمام ٹی وی چینلز اپنی گراس انکم کا 5فیصد سالانہ حکومت کو دینے کے پابند ہیں مگر چیئرمین پیمرا کے مطابق کوئی ایک چینل یا ریڈیو بھی ایسا نہیں ہے جو اس پر عمل کرتا ہو۔ چیئرمین کے مطابق پیمرا نے اس حوالے سے سیکورٹی ایکسچینج کمیشن آف پاکستان (SECP) کو اس بارے میں خط بھی لکھا ہے مگر اس پر کسی ٹی وی چینل نے آج تک عمل نہیں کیا۔

خبر کے مطابق اس پرائیویٹ کمپنی کو 80,000 روپے فی ٹی وی چینل ماہانہ دیا جائے گا اور فی الحال یہ کمپنی دس ٹی وی چینلز کو مانیٹر کرے گی۔ اس حوالے سے میڈیا سے گفتگو کے دوران چیئرمین پیمرا نے کہا کہ انہیں صحیح طور پر یاد نہیں ہے کہ اس پرائیویٹ کمپنی کے ساتھ کس معاوضے کی بات ہوئی ہے۔ قمر زمان کائرہ نے پورے وثوق کے ساتھ کہا کہ یہ رقم -/80,000 روپے سے کہیں کم ہے جبکہ ڈپٹی جنرل مینیجر مسٹر طاہر جنہوں نے ایگریمنٹ پر دستخط کئے ہیں ان کا کہنا تھا کہ یہ معاہدہ -/80,000 روپے ماہانہ فی چینل ہی ہے۔ یہ بات شکوک و شبہات کو جنم دینے کیلئے کافی ہے کہ پریس سے بات کرتے ہوئے تین ذمہ دار لوگوں نے مختلف بات کی۔ قمر زمان کائرہ نے یہ بھی کہا کہ اس کمپنی کو ابھی صرف تین ماہ کیلئے یہ کام سونپا گیا ہے، تاہم اس معاہدہ کو مزید بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ ذرائع کے مطابق یہ کمپنی فی الوقت دس نیوز ٹی وی چینلز کو مانیٹر کرے گی اور بعد ازاں مزید چینلز بھی اس میں شامل کئے جائیں گے۔

اس خبر کے مطابق پیمرا نے دس نیوز ٹی وی چینلز کو مانیٹر کرنے کے لئے ایک پرائیویٹ کمپنی کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ پیمرا کے اپنے مینڈیٹ کے مطابق اس ادارے کے وجود کا مقصد یہ بیان ہوا ہے:

1- الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے انفارمیشن کے موجودہ معیار کو بہتر بنانا، پاکستان کے شہریوں کو تعلیم اور تفریح مہیا کرنا

2- پاکستان کے عوام اور قومی مفادات کے پیش نظر لوگوں کیلئے میڈیا میں موجود انتخاب (choice) میں وسعت پیدا کرنا۔ یہ چوائس خبروں، حالات حاضرہ، مذہبی علوم، آرٹ، کلچر، سائنس، ٹیکنالوجی، معاشی ترقی، معاشرتی و سماجی حالات، میوزک، کھیل اور ڈرامہ جیسے شعبوں میں لوگوں کو میسر کرنا شامل ہے

3- اختیارات اور طاقت کو نچلی سطح تک منتقل کرنے کے عمل میں ماس میڈیا تک لوگوں کی رسائی کو یقینی بنانا، یہ رسائی مقامی اور کمیونٹی تک کے لوگوں کو میسر ہوگی

4- جوابدہی (Accountability)، شفافیت (Transparency) اور گڈ گورننس کو یقینی بنانے کیلئے معلومات کی آزادانہ روانی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا۔

پیمرا اس وقت وجود میں آیا تھا جب پاکستان میں پرائیویٹ سیکٹر میں ٹی وی چینلز کی اجازت دی گئی اور اس ادارے کا کام الیکٹرانک میڈیا (ٹی وی، ریڈیو، کیبل) کو مانیٹر کرنا ہے اور اس کی بنیادی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ یہ الیکٹرانک میڈیا کو پیمرا کے رولز اور ریگولیشنز کے مطابق کام کرنے کا پابند بنائے۔ اب اگر کسی پرائیویٹ کمپنی کو یہ کام سونپا جا رہا ہے تو پیمرا کے اپنے وجود کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے اور اتنا بڑا ادارہ اب کیا کرے گا۔ آیئے ایک نظر پیمرا کے سیٹ اپ پر ڈالتے ہیں:

ہیڈ آفس:	اسلام آباد
ریجنل دفاتر:	سندھ، پنجاب، اسلام آباد، این ڈبلیو ایف پی، بلوچستان
ذیلی دفاتر:	فیصل آباد، ملتان، سکھر، ڈی آئی خان، گوجرانوالہ

پیمرا درج ذیل شعبوں میں کام کرنے کا ذمہ دار ہے:

1- لائسنسنگ کیبل و ٹی وی
2- پالیسی اور پروموشن
3- فنانس
4- کوآرڈینیٹنگ
5- میڈیا اور پبلک ریلیشنز
6- انفارمیشن ٹیکنالوجی
7- لیگل
8- ایڈمنسٹریشن
9- ہیومن ریسورس

پیمرا کا بنیادی کام الیکٹرانک میڈیا کو مانیٹر کرنا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی نشریات بشمول اشتہارات اگر پیمرا کے رولز اینڈ ریگولیشنز کے مطابق نہیں ہیں تو الیکٹرانک میڈیا کو اس کا پابند کرنے کی ذمہ داری اس ادارے کی ہے۔ اب اگر پیمرا یہ کہتا ہے کہ کوئی بھی ٹی وی چینل حکومت یا پیمرا کو اپنی گراس آمدنی کا سالانہ 5فیصد ادا نہیں کرتا یا 12 منٹ فی گھنٹہ سے زیادہ دورانیے کے اشتہارات دکھائے جا رہے ہیں، یا الیکٹرانک میڈیا جزوی یا کلی طور پر پیمرا کے رولز اینڈ ریگولیشنز پر عملدرآمد نہیں کرتا تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پھر یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ پیمرا اپنے قوانین پر اگر عملدرآمد کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر اس کی کارکردگی بذات خود ہی سوالیہ نشان ہے۔ پیمرا کا اتنا بڑا سیٹ اپ کیوں ہے اور اس کے وجود کا کیا جواز بنتا ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی input کے بعد out put نہیں ہے تو input پر کی جانے والی انویسٹمنٹ بے معنی اور وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ لہذا اب پیمرا کو اپنے وجود کیلئے معقول جواز دینا ہوگا اور اس کیلئے ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت وقت بھی جواب دہ ہے۔

الیکٹرانک میڈیا بسا اوقات احتساب کی بات بھی کرتا ہے گو احتساب کی یہ بات اپنی "پسند" اور مفاد کیلئے ہی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مذہبی پروگراموں کے ذریعے اخلاقیات کا درس بھی ناظرین کو دیا جاتا ہے۔ اب اس انکشاف کے بعد کہ ٹی وی چینلز معاہدے اور قانون کے مطابق ٹیکس کی ادائیگی نہیں کر رہے ہیں اخلاقیات کے درس مالکان کیلئے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ حکومت کو ادا کی جانے والی رقم کا تخمینہ کروڑوں نہیں اربوں میں نظر آتا ہے جو ٹی وی چینلز کے مالکان نے ادا نہیں کیا۔ یہ طرفہ تماشہ ہے کہ اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت۔ میڈیا جو لوگوں کی رائے بنانے اور انہیں باخبر کرنے کا تسلیم شدہ ذریعہ ہے اس کی اخلاقیات کا یہ عالم ہے کہ وہ اس غریب قوم کے اربوں روپے ہضم کئے بیٹھا ہے۔ اب کس مائی کے لال میں یہ جرأت ہے کہ وہ میڈیا سے یہ رقم وصول کر سکے۔ اگر ایسا کوئی قدم اٹھانے کا حکومت نے سوچا بھی تو پھر میڈیا اور حکومت کے مابین "دما دم مست قلندر" ہوگا کہ ہمارا میڈیا وہ میڈیا ہے جو کسی بھی حکومت اور ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ (جس کی بحالی کیلئے میڈیا کا رول تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جا چکا ہے) کے فیصلے کے باوجود اپنے ہی کارکنان کو وہ معاوضہ ادا نہیں کرتا جو ان کا قانونی حق ہے۔

حکومت اور ریاست پاکستان ایک ایسی جنگ سے گزر رہے ہیں جو اپنی ہی پیدا کردہ ہے۔ طالبان کہاں سے آئے، کہاں پروان چڑھے، کون ان کو بنانے اور پالنے والا تھا یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ کیا اب پاکستان یا پاکستان سے باہر ایسے خفیہ ہاتھ اس میڈیا انڈسٹری کو بھی مستقبل کیلئے ایسا ہی عفریت، جانے یا انجانے طور پر، بنا رہے ہیں جو مستقبل میں حکومت کی رٹ کو چیلنج کر سکے؟

پیمرا جب کسی کو نیوز ٹی وی کا لائسنس دیتا ہے تو اس کا مطلب اس کے علاوہ کیا ہے کہ درخواست گذار پیمرا کے رولز اینڈ ریگولیشنز سے متفق ہے اور وہ ان کے مطابق ہی کام کرنے کی حامی بھرتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ پیمرا کے چیئرمین نے اعتراف کیا ہے تو پھر پاکستان کے شہریوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کریں۔ پیمرا اور اس جیسے بیسیوں سفید ہاتھی اس غریب قوم کی کمر پر کیوں لادے گئے ہیں۔ جس ملک کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ قرضوں اور سود کی ادائیگی کی نظر ہو رہا ہو وہاں اس قسم کی بے ضابطگیوں کا محاسبہ کیا جانا وقت کی ضرورت ہے۔ پیمرا مشرف کا تحفہ ہے، مگر اب تو ایک سیاسی منتخب حکومت ہے اور یہ حکومت جو عوام کے ووٹوں کے زور پر ایوان اقتدار میں ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام اداروں کی کارکردگی کا ازسر نو جائزہ لے۔ ایسا ضرور کیا جانا چاہیے کہ حکومت خود اپنے اندر احتساب کا شفاف نظام وضع کرے تاکہ لوگ جان سکیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس عمل سے لوگوں کا حکومت پر اعتماد بڑھے گا۔ یہ ایک اچھی روایت کی بنیاد بھی ہوگی۔

نشریاتی اداروں اور کیبل ٹی وی آپریٹروں کیلئے پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) کا ضابطہ اخلاق

(میڈیا مانیٹر ڈیسک)

پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) نے نشریاتی اداروں اور کیبل ٹی وی آپریٹروں کیلئے ضابطۂ اخلاق وضع کیا ہوا ہے۔ اس ضابطۂ اخلاق میں بتایا گیا ہے کہ الیکٹرانک میڈیا میں نشر ہونے والے مواد کا معیار کیا ہونا چاہیے۔ قارئین کی معلومات اور یہ جائزہ لینے کیلئے کہ الیکٹرانک میڈیا ان قوائد وضوابط پر کس حد تک عمل پیرا ہے، یہ ضابطۂ اخلاق شائع کیا جارہا ہے۔

اشتہارات:

(1) تمام نشریاتی اداروں یا کیبل ٹی وی سٹیشنز کے نشر کردہ یا تقسیم کردہ اشتہارات اس انداز میں بنائے جانے چاہئیں کہ وہ ملکی قوانین سے مطابقت رکھتے ہوں اور پاکستان کے لوگوں کی اخلاقی اقدار، تہذیب اور مذہبی فرقوں کے لئے شرانگیز نہ ہوں؛

(2) کسی ایسے اشتہار کی اجازت نہیں دی جائے گی جو:

الف) بغاوت کی حوصلہ افزائی کرتا ہو یا اس کی حمایت کرتا ہو؛

ب) پاکستان کے آئین کی کسی شق یا اس وقت نافذ العمل کسی بھی قانون کے خلاف ہو؛

ج) لوگوں کو جرم، بدامنی یا تشدد پھیلانے یا قانون شکنی پر اکساتا ہو، یا تشدد یا فحاشی کو کسی طرح سے قابل فخر بنا کر پیش کرتا ہو؛

د) بدکاری، شہوت انگیز جذبات، شراب یا غیر اسلامی اقدار کو قابل فخر بنا کر پیش کرتا ہو

ر) تاریخی حقائق، پاکستانی روایات، کسی پاکستانی قومی رہنما یا قومی شخصیت کی ذات اور شخصیت کو مسخ کرتا ہو۔

س) نسلی، فرقہ وارانہ، لسانی، علاقائی یا طبقاتی اختلافات کو ہوا دیتا ہو؛

ش) سماجی نابرابری کو فروغ دیتا ہو، احترام انسانیت اور محنت کی عظمت کے تصورات کی نفی کرتا ہو؛

ع) گھر، خاندان اور شادی کی حرمت کے خلاف ہو؛

غ) مکمل طور پر یا جزوی طور پر سیاسی یا مذہبی نوعیت کا ہو؛

ف) اس میں ایسے حوالے موجود ہوں جس سے عوام یہ نتیجہ اخذ کریں کہ یہ چیز یا اس کے بعض اجزا، کوئی خصوصی خاصیت یا خوبی رکھتے ہیں جبکہ اسے ثابت نہ کیا جاسکتا ہو؛

ک) جس میں نا شائستہ، غیر اخلاقی یا شرانگیز مواد یا موضوعات موجود ہوں؛ یا

ل) نظریہ پاکستان اور اسلامی اقدار کے خلاف مواد رکھتا ہو۔

(3) جن اشیا یا خدمات کا اشتہار دیا جارہا ہو ان میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہونی چاہئے جو انسانی صحت کیلئے مضر ہو۔ اشیا کے بارے میں گمراہ کن دعوے نہیں کئے جانے چاہئیں۔

(4) کوئی ایسا اشتہار جسے زیادہ تعداد میں بچے دیکھ سکیں گے اس میں بچوں کو یا ان کے والدین کو کسی خاص برانڈ کی اشیا خریدنے کی تلقین نہیں کی جانی چاہئے۔

پروگرام:

(1) کوئی ایسا پروگرام نشر نہیں کیا جائے گا

(الف) جس میں کسی مذہب، فرقے، یا کمیونٹی کے خلاف ہتک آمیز باتیں کی گئی ہوں یا کسی مذہبی فرقے یا نسلی گروہ کے خلاف نفرت آمیز تصاویر یا الفاظ کا استعمال کیا گیا ہو یا فرقہ وارانہ جذبات ابھارنے یا بدامنی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہو۔

(ب) جس میں جنسی، فحش یا ناشائستہ مواد موجود ہو یا جس سے اخلاقی گمراہی اور بدکرداری پھیلنے یا عوامی اخلاقیات کے بگڑنے کا امکان ہو۔

(ج) ایسے ہتک آمیز الفاظ موجود ہوں جنہیں سیاق وسباق کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس سے کسی فرد، گروہ یا طبقے، نسل یا ذات پات، قومیت یا نسلی ولسانی پس منظر، رنگ یا مذہب، فرقے یا صنف یا جنسی رجحان، عمر یا ذہنی وجسمانی معذوری کی بنیاد پر نفرت کا نشانہ بننے کا امکان ہو۔

(د) کوئی ایسا مواد موجود ہو جو کسی کی شہرت خراب کرے یا واضح طور پر جھوٹا ہو

(ذ) جس کے ذریعے لوگوں کو تشدد پر اکسایا جائے یا اس کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہو یا امن عامہ کے قیام کے خلاف ہو یا ملک دشمن اور قوم دشمن رجحانات کو فروغ دیتا ہو

(س) جس میں ایسا کوئی مواد موجود ہو جو توہین عدالت کے زمرے میں آتا ہو

(ش) جو عدلیہ کو تنقید کا نشانہ بناتا ہو یا مسلح افواج کے احترام کو پامال کرتا ہو

(ص) کسی فرد یا گروہ، یا ملک کی سماجی، سیاسی یا اخلاقی زندگی کے کسی پہلو کو بدنام کرتا ہو

(ض) جو بنیادی سماجی اقدار، اخلاقیات اور مہذب رویّوں کے خلاف ہو

(ط) جو پاکستان یا یہاں کے لوگوں کے متعلق توہین آمیز مواد رکھتا ہو یا جو پاکستان کی آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر سلامتی اور اتحاد کے خلاف رجحانات کو بڑھاتا ہو

(ظ) کسی ایسے جرم کی حوصلہ افزائی کرتا ہو یا اس میں مدد دیتا ہو جو تعزیرات پاکستان کے تحت قابل گرفت ہو

(ع) مردوں یا عورتوں کو اس انداز میں پیش کرنا جس سے ان کے ناشائستہ ہونے کا تاثر ملتا ہو اور ان کی بے عزتی ہوتی ہو؛

(غ) بچوں کو نفرت کا نشانہ بناتا ہو؛

(ف) کوئی ایسا مواد موجود ہو جس سے جرم یا مجرم کی عظمت کا تاثر ملتا ہو

(ق) کوئی ایسا مواد موجود ہو جو پاکستان کے اپنے دوست ممالک سے تعلقات کیلئے نقصان دہ ہو

(ک) کوئی ایسا مواد موجود ہو جو نظریہ پاکستان اور اسلامی اقدار کے خلاف ہو

2۔ خصوصی احتیاط برتی جانی چاہئے کہ جو پروگرام بچوں کیلئے تیار کئے گئے ہیں ان میں قابل اعتراض زبان استعمال نہ کی گئی ہو اور وہ بچوں کے والدین یا بزرگوں کے بارے میں بدتمیزی پر مبنی نہ ہوں

3۔ پروگرام گھر، خاندان کی حرمت اور ازدواجی ہم آہنگی کے خلاف نہ ہو

4۔ پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کی رپورٹنگ کرتے وقت کارروائی کا وہ حصہ جسے چیئرمین یا سپیکر نے ریکارڈ سے خارج قرار دیا ہو اسے نشر یا شائع نہیں کیا جانا چاہئے اور ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے کہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی کارروائی منصفانہ انداز میں پیش کی جائے۔

صحافت میں کرپشن کا ذمہ دار کون؟

(ارشد رضوی)

9 جون 2009 کے انگریزی اخبار "ڈان" کی ایک خبر کے مطابق ایک نجی ٹی وی چینل کے رپورٹر/کیمرہ مین نے ایک خاتون سے سولہ ہزار روپے اس کام کا معاوضہ وصول کیا کہ وہ اس خاتون کی پریس کانفرنس کی کوریج تمام ٹی وی چینلز اور اخبارات میں کروائے گا۔ اس رپورٹر/کیمرہ مین کو میڈیا ہی کے لوگوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا جس سے پولیس نے موقع پر بارہ ہزار روپے برآمد کر لئے جو اس رپورٹر نے خاتون کی پریس کانفرنس کی کوریج کیلئے مختلف اخبارات اور ٹی وی چینلز کے لوگوں کو دینے تھے۔ یہ واقع حیدرآباد شہر کے پریس کلب میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

یہ خبر پڑھتے کے ساتھ ہی میرے ذہن میں 2006 کی وہ یاد تازہ ہوگئی جب جنوبی پنجاب کے چھوٹے شہروں میں ہم لوگ صحافیوں سے تبادلہ خیال کی غرض سے گئے تھے۔ تب وہاں کے صحافیوں نے یہ بتایا تھا کہ ایک اردو اخبار کی نامہ نگاری حاصل کرنے کیلئے کتنے پیسے اس اخبار کو ادا کرنا ہوتے ہیں۔ نامہ نگار اپنی خبریں اخبار کے دفتر کو پہنچانے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ خبر بذریعہ فیکس یا ٹیلیفون بھیجنے کا نامہ نگار کو کوئی معاوضہ نہیں ملتا اور نہ ہی ماہانہ مشاہرہ یہ اخبار نامہ نگار کو ادا کرتا ہے۔

مذکورہ خبر اور جنوبی پنجاب کے شہروں میں نامہ نگاروں کی صورت حال کو دیکھا جائے تو خیال گزرتا ہے کہ حیدرآباد میں رپورٹر کا پریس کانفرنس کی کوریج کیلئے بھاری معاوضہ وصول کرنا شعبہ صحافت کا پہلا واقع نہیں ہوگا۔ چھوٹے شہروں اور قصبوں میں اردو اخبارات کے بعض نامہ نگار اپنے "فرائض منصبی" کی ادائیگی کیلئے پولیس اور انتظامیہ کے ٹاؤٹ کا کردار ادا کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کام سے انہیں یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کروانے کے عوض ان سے رقم وصول کرتے ہیں۔

اوپر دیئے گئے ایک اخبار کے بارے میں انکشاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اخباری مالکان اس رجحان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ بات اس لئے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ایک زمانہ تھا جب نامہ نگاروں کو ان کی شائع شدہ خبروں اور تصویروں کا باقاعدہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس معاوضے کا باقاعدہ اصول تھا تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ نامہ نگاروں کے کام کا معاوضہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے تمام اخبار ادا کرتے تھے۔ اس کے برعکس آج صورت حال یہ ہے کہ اخباری کارکنوں کو ویج بورڈ ایوارڈ کے مطابق تنخواہیں نہیں دی جاتیں جس کیلئے سپریم کورٹ بھی اپنا فیصلہ دے چکی ہے۔ ایسے حالات میں چھوٹے شہروں اور قصبوں میں اخبار یا ٹی وی کیلئے کام کرنے والے کارکنوں کی گذر بسر کا کیا انتظام ہے اس بارے اخباری صنعت کے مالکان نے اگر مناسب انتظامات نہیں کئے تو یہ کہنا کسی طور غلط نہ ہوگا کہ میڈیا مالکان حیدرآباد میں پیش آمدہ واقع کے ذمہ دار ہیں۔

گو اب صورت حال کافی بہتر ہو رہی ہے۔ جرنلزم میں تعلیم یافتہ نوجوان آرہے ہیں تاہم قصبوں اور چھوٹے شہروں میں ابھی بھی منظر نہیں بدلا۔ میڈیا ہاؤسز بھی اپنے صحافیوں اور نامہ نگاروں کی پیشہ ورانہ تربیت نہیں کرتے۔ آج کے دور میں جبکہ میڈیا کی حیثیت مسلمہ ہے اور میڈیا کی طاقت کا اعتراف حکومتیں کرتی ہیں، یہ ضروری ہے کہ معیاری اور مستند صحافت کی داغ بیل ڈالی جائے۔ اس کیلئے نہ صرف صحافیوں اور نامہ نگاروں کو آداب صحافت اور صحافتی اقدار سے روشناس کروانے کی ذمہ داری میڈیا ہاؤسز قبول کریں بلکہ مستقل بنیادوں پر ریفریشر کورسز کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے تاکہ ہماری صحافت بین الاقوامی معیار کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہل ہو سکے۔

ذمہ دار میڈیا کی تشکیل کیسے ہوگی؟

(تجزیہ: سلمان عابد)

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ جو معاشرے جمہوریت، رواداری، سماجی و معاشی انصاف اور انسانی برابری کے اصولوں پر اپنی تشکیل نو کرتے ہیں، ان معاشروں میں بہتر نتائج کے حصول میں میڈیا کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ میڈیا (الیکٹرانک ہو یا پرنٹ) کا بنیادی کردار ریاست و حکومت کے اداروں اور شہریوں کے درمیان مانیٹرنگ اور واچ ڈاگ کا ہوتا ہے۔ متعلقہ اداروں اور لوگوں کے درمیان طرز حکمرانی کے ان امور کی نشاندہی جن کا تعلق براہ راست شہریوں کے مفادات سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور طرز حکمرانی کے تناظر میں مختلف اداروں کے مابین پل (bridge) کا کردار بھی میڈیا ادا کرتا ہے تاکہ مختلف طبقات کے مؤقف کو ایک دوسرے کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب میڈیا خود کو ایک ذمہ دار (responsible) ادارے کے طور پر نہ صرف پیش کرے بلکہ اپنے اس رول کی اہمیت کو سمجھے تاکہ لوگوں کے حق میں بہتر طور پر اس ذمہ داری کو نبھا سکے۔

ہمارے ہاں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ ذمہ دار میڈیا کو سیاسی تنہائی میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اگر میڈیا اپنا قبلہ درست کر لے تو سارا معاشرہ بہتری کی جانب تبدیل ہو جائے گا۔ حالانکہ عملاً ایسا نہیں ہوتا کیونکہ جب تک معاشرے کے تمام سیاسی و انتظامی ادارے مجموعی طور پر عوامی مفادات پر مبنی مؤثر کردار ادا نہیں کریں گے (اور ادارے غیر جمہوری انداز میں چلیں گے) تو تنہا میڈیا کا جمہوری کردار اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ ناممکن بھی بن جاتا ہے۔ میڈیا کے جمہوری اور ذمہ دارانہ کردار کی ادائیگی میں دیگر وجوہات کے علاوہ ایک اور وجہ، جسے عام طور پر میڈیا سے باہر کے لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، میڈیا کا اپنا مزاج اور کام کرنے کا اندرونی ماحول ہوتا ہے جس میں میڈیا سے وابستہ افراد کام کرتے ہیں۔

ایک زمانے میں میڈیا سے وابستہ افراد اور بالخصوص پرنٹ میڈیا کے لوگ ذمہ دار میڈیا کے تناظر میں کافی حساس ہوتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ وہ اپنے قلم اور کردار سے ایسے طرز عمل سے اجتناب کریں جو ذمہ دار میڈیا کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا میں ایڈیٹر کا باقاعدہ انسٹی ٹیوشن ہوتا تھا۔ صحافی پروفیشنل ہوتے تھے اور ان کے پاس اختیارات ہوتے تھے کہ وہ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کریں مگر اب صورتحال کافی مختلف ہے۔ اب پروفیشنل ایڈیٹر کا انسٹی ٹیوشن عملاً کمزور ہو گیا ہے۔ میڈیا مالکان ہی ایڈیٹر کا کردار ادا کرتے ہیں۔ پروفیشنل ایڈیٹر عنقا ہو گیا ہے یا مالکان کے سامنے ان کی حیثیت کمزور ہو گئی ہے۔ ذمہ دار میڈیا کی ایک شکل میڈیا سے وابستہ افراد کے معاشی استحکام سے بھی منسلک ہے۔ اس وقت الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں ایسے ادارے بھی موجود ہیں جو نہ صرف ورکرز کا معاشی استحصال کرتے ہیں بلکہ بعض اداروں میں انہیں یا تو بروقت تنخواہیں ادا نہیں کی جاتیں یا کئی کئی مہینوں تک انہیں تنخواہوں کے حصول میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اخباری مالکان کی جانب سے ابھی تک ویج بورڈ کا مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے صحافیوں کو ان کے بنیادی حق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ اگر اخباری مالکان کی جانب سے اس طرز عمل کا مظاہرہ کیا جائے گا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ذمہ دار میڈیا کیسے سامنے آئے گا۔ حقائق کو جرأت و سچائی کے ساتھ 'ذاتی مفاد کے بغیر' عوام تک پہنچانا سب سے بڑی صحافتی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے والے کے جائز مالی معاملات کا طے ہونا بھی ضروری ہے ورنہ معاشی بدحالی آزادی کے راستے میں حائل ہو جاتی ہے۔

> یونیورسٹیوں میں ماس کمیونیکیشن کے شعبے نہ صرف تحقیق بلکہ بہتر مانیٹرنگ کے عمل سے میڈیا میں خود احتسابی کے نظام کو تقویت دینے میں معاون و مددگار کا کردار بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں ذمہ دار میڈیا کے تناظر میں ایک بات جو زور دے کر کی جاتی ہے وہ میڈیا کا ضابطہ اخلاق ہے۔ ضابطہ اخلاق کے بغیر میڈیا کی آزادی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ لیکن آزاد و خود مختار ایڈیٹر انسٹی ٹیوشن کی عدم موجودگی میں اس ضابطۂ اخلاق پر عمل کون کرے گا اور اخبارات کے مالکان جو خود ہی چیف ایڈیٹر بھی ہیں جب وہ اپنے ہی ضابطۂ اخلاق پر عمل نہ کریں تو ان کا احتساب کون کرے گا۔ ایک زمانے تک پرنٹ میڈیا نے ذمہ دار میڈیا کے تناظر میں اہم اور تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کی صحافت میں ایسے کئی بڑے نام ہیں جو صحافیوں کے ساتھ ساتھ ایڈیٹر بھی رہے۔ جنہوں نے ذمہ دار صحافت کی نہ صرف روایت ڈالی بلکہ نامساعد حالات میں بھی ذمہ داری اور سچ کا دامن نہیں چھوڑا۔ اسی کردار کی وجہ سے صحافت کے یہ شہسوار ہر فوجی اور سول دور میں سخت آزمائشوں اور قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوتے رہے مگر وہ اپنی اصول پسندی پر قائم رہے۔ ان ہی باکردار صحافیوں کی وجہ سے صحافت کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس دور میں میدان صحافت میں آنے والے اپنے عزم و شوق سے اس وادیٔ خار دار میں قدم رکھتے تھے، ان کے وسیع مطالعہ اور جستجو نے صحافت کی کئی حوالوں سے لاج بھی رکھی۔ آج صورتحال وہ نہیں ہے جو ماضی میں تھی۔ اب تو شعبۂ صحافت میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کو ملے گی جو کرنا تو کچھ اور چاہتے تھے لیکن حالات و واقعات کے جبر نے انہیں میڈیا کے میدان میں دھکیل دیا۔ ایسی صورت میں جب ایک خاص تعداد اپنی مرضی و منشا اور شوق کے بغیر میڈیا سے وابستہ ہے تو ان سے معیاری اور مثبت صحافت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب اخبارات کے ایڈیٹرز اور بالخصوص اخباری مالکان کارکن صحافیوں کی تربیت یعنی استعداد کاری پر خصوصی توجہ دیں جو ایک طرف ان کارکن صحافیوں کی مہارتوں میں اضافہ کرے تو دوسری طرف ایک ذمہ دار میڈیا میں ان کا کیا کردار بنتا ہے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے وہ اپنی ذمہ داری کو بہتر طور پر سرانجام دے سکیں۔ اسی طرح جب یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ میڈیا ذمہ دارانہ کردار ادا نہیں کر رہا تو اس کی ایک وجہ خبروں کا حصول بھی ہے۔ معلومات تک رسائی کا حق جو قانون ہر شہری کو دیتا ہے بدقسمتی سے ابھی تک اس قانون پر مکمل عمل نہیں ہو رہا ہے۔ صحافی اپنے ہی طریقوں اور تعلقات کی بنیاد پر معلومات حاصل کرتے ہیں حالانکہ خبروں کا حصول ہر صحافی کا بنیادی حق ہے مگر اس سے انہیں محروم رکھا جاتا ہے۔

> پاکستان میں ذمہ دار میڈیا کے تناظر میں ایک بات جو زور دے کر کی جاتی ہے وہ میڈیا کا ضابطہ اخلاق ہے۔ ضابطہ اخلاق کے بغیر میڈیا کی آزادی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ لیکن آزاد و خود مختار ایڈیٹر انسٹی ٹیوشن کی عدم موجودگی میں اس ضابطۂ اخلاق پر عمل کون کرے گا اور اخبارات کے مالکان جو خود ہی چیف ایڈیٹر بھی ہیں جب وہ اپنے ہی ضابطۂ اخلاق پر عمل نہ کریں تو ان کا احتساب کون کرے گا۔

آزاد اور ذمہ دار میڈیا میں ایک رکاوٹ میڈیا پر ریاستی دباؤ اور جبر کا بھی ہے جو اپنے مخصوص مفادات کیلئے میڈیا پر اپنی بالادستی قائم رکھنا چاہتی ہے۔ بعض اوقات اخبارات اور نجی چینلز کو اشتہارات اور چینلز کی بندش سے گزرنا پڑتا ہے۔ میڈیا اور ریاست ایک دوسرے پر اعتماد کی فضا میں کم ہی رہتے ہیں۔ جب ہم ذمہ دار میڈیا کی بات کرتے ہیں تو اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری ریاست اور حکومت کس حد تک ذمہ دار میڈیا کی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے اور کس حد تک وہ میڈیا کیلئے ایسا سازگار ماحول فراہم کرتی ہے جس میں ذمہ دار میڈیا بہتر انداز میں پنپ سکے۔

میرے نزدیک ذمہ دار میڈیا کی بات اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم جن اندرونی اور بیرونی بحرانوں سے گزر رہے ہیں اور بین الاقوامی میڈیا کے ذریعے دنیا کے سامنے ہمارا جو امیج جا رہا ہے وہ ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک کا مقدمہ نہ صرف احسن انداز سے لڑنا ہے بلکہ اندرونی اور بیرونی 'دونوں سطحوں پر اس کا جواب بھی دینا ہے تو اس میں ایک ذمہ دار میڈیا کا کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہاں ذمہ دار میڈیا سے مراد یہ ہے کہ ہماری خبر، تبصرے، تجزیے، رپورٹس، اداریوں اور ٹی وی ویڈیو سے نشر ہونے والے پروگراموں میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس میں سچ تحقیق اور گہرائی کا پہلو کتنا ہے۔ کیا ہم اپنی چیزوں کو پیش کرتے وقت ملکی اور عوامی مفادات کا خیال کرتے ہیں یا ہم کسی اور کے مفادات کو اہم گردانتے ہیں!

میڈیا سے توقعات 'ایک اور پہلو ہے جسے دیکھنے کی ضرورت ہے' اور ایسی توقعات بھی میڈیا سے وابستہ کر لی گئی ہیں جن پر پورا اترنا میڈیا کے بس میں نہیں ہے۔ ایسی توقعات کو پیدا کرنے میں کچھ ہاتھ میڈیا کے اپنے لوگوں کا بھی ہے جو مسائل کا تجزیہ کرتے وقت جذباتیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی جو کام پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو کرنا ہوتا ہے، ریاستی اداروں، سیاسی اشرافیہ اور سول سوسائٹی کا جو کام ہے، ان سب کی توقع میڈیا سے کی جانے لگی ہے۔ آپ کسی سے بھی پوچھیں وہ کہے گا کہ سب کچھ میڈیا کر سکتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ میڈیا کے کردار سے اداروں کی کارکردگی میں بہتری آ جائے مگر اکیلا میڈیا تمام اداروں کی صورتحال کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ دراصل ذمہ دار میڈیا کا وجود اسی صورت میں پنپ سکتا ہے جب اسے ایک ادارے کے طور مستحکم کیا جائے اور اگر میڈیا سے وابستہ ادارے محض کاغذی ادارے ہیں اور فرد واحد تک محدود ہیں تو اس میں

بقیہ صفحہ 14 پر

کیا میڈیا عوامی اعتماد کھو رہا ہے؟

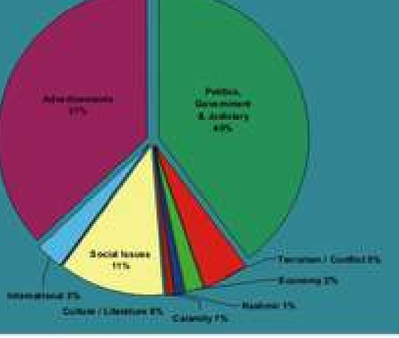

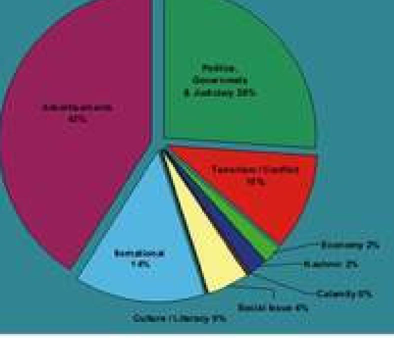

(اسلم اعوان : ڈیرہ اسماعیل خان)

ہمارا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا، جس کی قوت کا راز رائے عامہ کی وسعت میں پنہاں ہے، اخبارات میں چھپنے والی خبر پڑھ کر اثر لینے والے عوام اگر احساسات کے خلجان میں مبتلا نہ ہوتے تو کسی حکمران کو اس مشق ناز سے سروکار نہ رہتی کہ کیا چھپا اور میڈیا کیا کہہ رہا ہے۔ اور یوں میڈیا اپنی طاقت اور اہمیت سے نا آشنا رہتا، یہی وجہ ہے کہ انگریزی صحافت کے بڑے بڑے جغادری کالم نویس اور رپورٹر اپنی نگارشات کو تراجم کے قالب میں ڈھال کر اردو اخبارات میں شائع کرانے کا اہتمام کر کے رائے عامہ سے طاقت اخذ کرنے پر مجبور ہیں، بصورت دیگر انگلش اخبارات اور چینلز پر ابھرنے والی انتہائی اہم خبریں ایک مخصوص حلقہ کی بصارت و سماعت تک محدود رہ کر چند لمحات کے وقتی شکوہ کے ساتھ وقت کی دبیز تہہ کے اندر معدوم ہو جاتی ہیں، گویا میڈیا بجائے خود کوئی طاقت نہیں بلکہ اس کی قوت کے سرچشمے خبروں کی ترسیل اور تجزیاتی وضاحتوں کے ذریعے عوامی احساسات کو بھڑکا کر خاص رخ پر ڈال کے حکومتوں، حکمرانوں اور سیاست دانوں کے لئے خطرات کی تخلیق کے عمل سے پھوٹتے ہیں۔

اس وقت زیر بحث سوال یہ ہے کہ کیا میڈیا واقعی ان اسٹیک ہولڈرز کے حقوق کے تحفظ کا حقیقی نگہبان ہے جو میڈیا کی وساطت سے پہنچنے والی "معیاری اطلاعات" پر بھروسہ کر کے ملکی و قومی معاملات میں اپنی اچھی یا بری رائے قائم کرتے ہیں اور اپنے حکمرانوں کے اخلاص و کردار کو انہی پیمانوں پر جانچ کے ان کے مستقبل کے بارے میں فیصلے صادر کرتے ہیں جو پیمانے میڈیا ترتیب دیتا ہے۔ میڈیا کیا واقعی انسانیت کا ہمدرد اور عوام کے حقوق کا علمبردار ہونے کے علاوہ حکمرانوں کو راہ راست سے بھٹکنے نہ دینے کے فرائض سرانجام دینے کا اہل ہے؟ یا پھر اسی اخلاقی تخیل کے پردے میں خود غرضی سے مزین رویے اپنا کر خود اپنے لئے طاقت و مراعات کے حصول کا حریص بن کر رہ گیا ہے؟ پھر خود اس کی اپنی حرکیات کے معیارات کیا ہیں اور کیا ہونے چاہئیں؟ اسی نوعیت کے کئی اور اہم سوالات بھی جواب طلب ہیں۔ شاید وہ وقت آ پہنچا ہے کہ اس بے رحم نقاد اور از خود مسند انصاف پر فائز ہو کر فیصلے صادر کرنے والے میڈیا کو بھی انصاف کے کٹہرے میں لا کر اس کے فرائض و اعمال، وسعت کردار اور اثر پذیری کے نتائج پر بحث کی جائے اور پوچھا جائے کہ کیا ہمارے ارباب قلم اور انسانی مفاد میں خبر تلاش کرنے والے اہل صحافت خود اپنی حقیقت کے بارے میں کسی مختصری انکواری کا سامنا کرنے کے قابل ہیں؟ ممکن ہے ہمارے لئے یہ کڑوی گولی نگلنا کسی تلخ تجربے کے مترادف ہو، لیکن کسی نہ کسی دن تو انسان نے یہ سوالات اٹھانے ہی تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے یہ اور ان جیسے کئی اور سوالات کے ساتھ موجودہ میڈیا کا مستقبل معلق ہو چکا ہے

خبر رساں اداروں کے ہاں وجود پانے والی "نیوسنس ویلیو" (Nuisance Value) سے قوم و ملک اور انسانیت کا کونسا مفاد وابستہ ہے اور خود نشریاتی اداروں کی طاقت و حیثیت اور معاشی وسعت کا تناسب کیا رہتا ہے، یا ریاستی اداروں، عالمی مالیاتی تنظیموں اور ملٹی نیشنل کمپنیاں میڈیا کے ذریعے کتنا کچھ حاصل کرتی ہیں، میڈیا حکمرانوں کے احتساب اور ان کی کجروی کی اصلاح میں کتنی کامیابی پاتا ہے، اخبار بینوں اور ناظرین کے ساتھ اس کی حقیقی وفاداری کی سطح کیا ہے یا میڈیا کی مساعی عوامی مفادات کے تحفظ میں کتنی کامیاب ہے؟ اس کا جائزہ لیا جائے تو تحیر و امکان کے کئی نئے دریچے کھل جائیں گے۔ ایک اخبار نویس کی حیثیت سے جب اپنے روز و شب اور پیشہ وارانہ کردار کو پرکھنے کی کوشش کریں گے تو خود فراموشی کے کئی دلفریب استعارے نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں اور انسان کو اس حقیقت کی تلخی کا اندازہ کرنا پڑتا ہے کہ دوسروں کو چیک کرنے اور خود اپنے آپ کا جائزہ لینے میں فطری اور نفسیاتی اعتبار سے کتنا تفاوت ہے تو انتہائی نفاست سے بنی صحافتی اقدار اور صحافیانہ ترفع کی خوبصورت عمارت ہچکولے کھانے لگتی ہے۔ اگر ہمیں خود اپنے حوالوں سے مسائل کو پرکھنے کی کوشش پر مطعون نہ کیا جائے اور تجربات سے اخذ کردہ نتائج کی وضاحت کو دعویٰ پر محمول نہ کیا جائے تو کئی دلچسپ بلکہ حیرت انگیز تجربات خود ہماری اپنی ہستی اور پیشہ وارانہ اہلیت پر انگلی اٹھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک خبر نویس کی نظر سے دیکھا جائے تو خبر کا حصول، اس کی کتر بیونت (ایڈیٹنگ) اور اشاعت تک کے مراحل سے گزرنے کے دوران ہماری ترجیحات کیا رہتی ہیں، اس کے تعین کی ہمیں کبھی کوئی فکر دامن گیر نہیں رہی، سچ پوچھئے تو بادی النظر میں عام لوگوں کے مسائل و مفادات ہماری ترجیحات میں آخری مقام پاتے ہیں۔ لاشعوری طور پر ہماری پہلی ترجیح صحافیانہ ادراک پر مبنی وہ نفسیاتی تعلّی ہوتی ہے جس کے شکوہ کی مخملی تہہ کے اندر خوف و ترغیب کے پرکشش استعارے چھپے رہتے ہیں۔

دوسری ترجیح ادارہ جاتی پالیسی جو دراصل پیشہ ورانہ مفادات کے خمیر میں اُگتی ہے اور آخر میں عام لوگوں کے دکھ، مسائل اور اجتماعی زندگی کے وجود پر مبنی تہذیبی اور تمدنی اقدار کی افزائش کی وہ سعادت جسے بظاہر پورے میڈیا کے وجود کا جواز باور کرایا جاتا ہے۔ مالکم ایکس نے کہا تھا "اگر آپ محتاط نہیں ہیں تو اخبارات آپ کو ان لوگوں سے نفرت کرنا سکھا دیں گے جو ظلم و زیادتی کا شکار ہیں اور ان لوگوں سے محبت جو ظلم و زیادتی کر رہے ہیں"۔ (ہم اب بھی اسی فیز سے گزر رہے ہیں) بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہمارا میڈیا عام لوگوں کی زندگیوں کے دکھوں، مسائل اور سماجی زندگی کو اپنی ترجیحات کے آخری امکانات میں رکھ کر ایسے مقتدر طرز عمل کا خوگر بن چکا ہے جسکی خاص صورت، حاکمانہ انداز فکر اور ریاستی اداروں جیسی بے رحم حرکیات کی شکل میں ڈھل کر سامنے آ رہی ہے، جسمیں ہر قیمت پر ادارہ جاتی اور ریاستی مفاد کو ترجیح اول رکھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ سرکاری اداروں اور ریاستی ڈھانچے کے مفادات فائق ہوں اور نظام مملکت کی اقدار اسی انداز فکر کی متقاضی بھی ہوں لیکن میڈیا سے جڑے نظام کو ایسا انسانیت کش اور پبلک مخالف طرز عمل اپنانے کی (شعوری یا لاشعوری طور پر) اجازت ہونی نہیں چاہیے۔

متبادل میڈیا کے طور پر کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم کے سروے کے مطابق پاکستان کے چھ بڑے اردو اور انگریزی اخبارات کے صفحۂ اول و آخر کا 42 فی صد سے زیادہ اشتہارات کی نذر ہو جاتا ہے۔ صفحۂ اول اور آخر پر 14 فی صد انٹرٹینمنٹ نیوز، پولیٹیکل، گورنمنٹ اور عدالتوں کی 26 فی صد، دہشت گردی و تنازعات 10 فی صد پر چھائے رہتے ہیں۔ 2 فی صد اکانومی کیلئے جبکہ کشمیر سے متعلق ایشوز کیلئے بھی 2 فی صد جگہ تھی۔ سوشل ایشوز پر مبنی خبروں کو 4 فی صد جگہ ملتی ہے۔ کلچر، تہذیب و ثقافت اور سوسائٹی کی نچلی سطح پر زندگی گزارنے والے کروڑوں لوگوں کے لاکھوں مسائل اور مفادات کی خبریں اخبارات کے صفحات (اور الیکٹرانکس میڈیا) پر 4 فی صد سے بھی کم جگہ پا سکتی ہیں۔ معیاری اطلاعات کے تصور کو دھندلانے میں اشتہارات کے نظام کو کنٹرول کرنے والے سرکاری اداروں کے علاوہ وہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور گلوبل مالیاتی نظام بھی شامل ہیں جو بڑے اخبارات اور الیکٹرانکس میڈیا کو کروڑوں کے اشتہارات فراہم کرتے ہیں۔ شاید ہماری یہ کوشش دقیق فلسفیاتی مباحث کی صورت اختیار کر کے ان حقیقتوں کو مزید دھندلانے کا سبب بنتی جنہیں ہم اُجاگر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن بعض غیر سرکاری اداروں کی جانب سے کئے گئے غیر جانبدارانہ سروے اور اعداد و شمار کے جائزے ہمارے خیالات کو تقویت پہنچانے کا سبب بننے کے علاوہ عام لوگوں کو بھی دعوت فکر دے رہے ہیں۔ میڈیا بنیادی طور پر عام لوگوں کی آواز کو ان اونچے ایوانوں تک پہنچانے کی ذمہ داری نبھاتا ہے جو اپنی کم مائیگی کے باعث حکمرانوں اور دنیا والوں کو اپنی دگرگوں حالت کی خبر بتانے کی سکت نہ رکھتے ہوں۔ دوسری میڈیا کی ذمہ داری معیاری اطلاعات کی فراہمی اور وسیع تناظر میں عقل اجتماعی کو بروئے کار لا کر عام طور پر شراکت فکر و عمل کی صورت گری کرتا ہے۔

لیکن میڈیا رفتہ رفتہ ان مشنری تصورات سے ہٹ کر کاروباری نفسیات کی الجھنوں میں پھنس چکا ہے اور اس کا کام، طرز عمل اور ترجیحات کئی اجنبی تصورات سے ہم آغوش ہو رہی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو میڈیا ریاست اور عوام کے درمیان واقع خط اعتدال سے ہٹ کر ایک مخصوص صورت میں نئی پوزیشن لے کر از خود ایسے حاکمانہ کلچر کو اپنانے کی عادت بنا رہا ہے جو ہر قسم کی جواب دہی اور ساکھ کھو جانے کے خوف سے بے نیاز ہے، ابھی تک اس کی اس نئی کیفیت پر عوامی اعتماد کے تسلسل کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جن کو اٹھا کر اندر سے اس کی حقیقی شکل و صورت کو دیکھنے یا اس کے وجود کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی گئی لیکن زیادہ دیر تک اعتماد کے اس حصار کو برقرار رکھا نہیں جا سکتا۔ ایک نہ ایک دن اس مامون فصیل میں دراڑیں ضرور پڑیں گی۔ اس سے قبل کہ دنیا میڈیا کے اس بدلتے کردار کو زیر بحث لا کر ایک سادہ سی سوشل انکوائری شروع کرے میڈیا اور اس کے وابستگان کو خود ہی اپنے کردار اور رویوں کو پلٹ کر دیکھنے اور اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

> متبادل میڈیا کے طور پر کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم کے سروے کے مطابق پاکستان کے چھ بڑے اردو اور انگریزی اخبارات کے صفحۂ اول و آخر کا 42 فی صد سے زیادہ اشتہارات کی نذر ہو جاتا ہے۔ صفحہ اول اور آخر پر 14 فی صد انٹرٹینمنٹ نیوز، پولیٹیکل، گورنمنٹ اور عدالتوں کی 26 فی صد، دہشت گردی و تنازعات 10 فی صد پر چھائے رہتے ہیں۔ 2 فی صد اکانومی کیلئے جبکہ کشمیر سے متعلق ایشوز کیلئے بھی 2 فی صد جگہ تھی۔ سوشل ایشوز پر مبنی خبروں کو 4 فی صد جگہ ملتی ہے۔

پاکستان میں متبادل میڈیا کی ضرورت کیوں؟

تاثیر مصطفیٰ

برصغیر پاک و ہند میں صحافت کا آغاز مشن کے طور پر ہوا۔ ہندو اور مسلم پریس کی تقسیم کے باوجود دونوں طرف مشنری جذبہ کارفرما تھا۔ ہندو پریس انگریز سے آزادی، متحدہ قومیت اور غیر منقسم ہندوستان کے مشن پر کارفرما تھا۔ جبکہ مسلم پریس برصغیر کی تقسیم، مسلمانوں کے لیے آزاد وطن اور جداگانہ قومیت کے فروغ جیسے مشن کو آگے بڑھا رہا تھا۔ اس زمانے میں اخبارات و جرائد کے مالکان اور کارکن اسی جذبے کے تحت صحافت میں آتے تھے اور پوری زندگی اپنے مشن کی آبیاری میں صرف کر دیتے تھے۔ مالی فوائد ان کے پیش نظر نہ تھے۔ یہ لوگ نامساعد حالات میں بھی مشنری جذبہ کے تحت اخبارات جاری رکھتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد، ظفر علی خان، حسرت موہانی، حمید نظامی اور الطاف حسین جیسے لوگ روزگار کی بہتر پیش کشوں کو ٹھکرا کر اپنے مشن سے جڑے رہے اور اس راستے میں بے پناہ مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

قیام پاکستان کے ابتدائی چند سالوں تک بھی صحافت پر مشن کا جذبہ اور رنگ غالب رہا۔ اگرچہ حصول آزادی کے بعد اس مشن کی نوعیت تبدیل ہو چکی تھی۔ 1960 کی دہائی میں اس میدان میں صنعت کار اور کاروباری حضرات داخل ہو گئے اور صحافت مشن کے بجائے ایک کاروبار اور صنعت کی صورت اختیار کرنے لگی۔ اگرچہ بعض اچھے اور نیک مشن اس دور میں بھی اہل صحافت کے پیش نظر تھے مگر اب اسے ایک منافع بخش صنعت کا درجہ حاصل ہو رہا تھا چنانچہ اشتہارات کا حصول، ان کے نرخوں میں مسلسل اضافے، کاغذی کوٹے اور اخبارات کے لیے مراعات کا حصول اہمیت اختیار کرنے لگا اور یہ صنعت ان مقاصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی۔

1980 اور 1990 کی دہائی میں صحافت میں مختلف مافیاز کی آمد شروع ہوئی۔ لینڈ مافیا، منشیات کے کاروبار سے منسلک افراد، ٹیکس چھپانے کی خواہش رکھنے والے افراد اور کاروباری ادارے صحافت کے ذریعے اپنے مفادات کے تحفظ کے خواہشمند اور صحافت کی آڑ میں بعض دوسرے دھندے کرنے والے لوگ اور ادارے اس میدان میں داخل ہونے لگے۔ اگرچہ مشنری اور صنعتی دور کے صحافتی ادارے بھی موجود تھے۔ تاہم اس دور کے شعبہ صحافت میں یہ ایک نیا رجحان بھی بنا۔ پھر اکیسویں صدی کے آغاز میں پاکستان میں نشریاتی صحافت (الیکٹرانک میڈیا) کی آمد کے ساتھ ہی مشنری صحافت کے علمبرداروں کی گنجائش نہ رہی یا کم ہو گئی۔ البتہ صنعت کاروں اور مافیاز کے لیے کچھ امکانات موجود تھے چنانچہ یہ لوگ بھی اس نئے میدان میں قسمت آزمائی کے لیے اترے۔ ساتھ ہی انہوں نے ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کار گروپوں کو بھی شراکت کی دعوت دی چنانچہ اب یہ چوتھا گروپ بھی صحافت میں در آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ متذکرہ بالا چاروں گروہوں کے اپنے اپنے مقاصد، اہداف، مفادات اور طریقہ ہائے کار ہیں۔ آج کا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا دراصل ان چاروں قسم کے اداروں اور ان کے خصائص و نقائص لیے ہوئے ہے۔ آج کی صحافت میں تھوڑا بہت مشنری رنگ موجود ہے۔ صنعتی صحافت کے بیشتر اثرات نظر آتے ہیں۔ مافیاز کی طاقت کے اثرات بھی ظاہر ہیں اور ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاروں کے مفادات کا عکس بھی کچھ کچھ ظاہر ہونے لگا ہے۔

مشنری دور کی صحافت میں چونکہ مشنری جذبہ کو اولیت حاصل تھی اس لیے میڈیا کے اپنے مشن سے متصادم یا اس مشن کے مخالف نقطۂ نظر کے لیے ان اخبارات میں کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ پھر اپنے مشن کی بھرپور تائید و حمایت کے باعث دوسرے بہت سے طبقات کی نمائندگی کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ نیز مشنری جذبے کے باعث اس دور کے اخبارات بذات خود بہت سی چیزوں کی اشاعت کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ معاشرے کے مختلف طبقات کے بہت سے سماجی مسائل اور علمی مباحث اس دور کے اخبارات میں کوئی جگہ نہ پا سکتے تھے۔ صنعتی دور کی صحافت میں چونکہ مالی مفاد زیادہ اہم ہو گیا اور مارکیٹ کی ضرورت پیش نظر تھی اس لیے اخبارات کے مالی مفاد اور اس کے مالکان کے صنعتی مفاد کے مخالف نقطۂ نظر کا چھپنا محال تھا۔ ہر وہ خبر اور انکشاف جو اخبارات کے مالی مفادات یا مالکان کے صنعتی مفادات کے منافی سمجھا گیا اس کو اخبارات میں کوئی جگہ نہیں ملتی تھی۔ اس کے علاوہ اشتہارات کی بھرمار اور اخبارات میں جگہ کی کمی کے باعث بھی بہت سے طبقات کی نمائندگی یا تو بالکل نہیں تھی یا اگر تھی تو نہ ہونے کے برابر۔

متبادل میڈیا کی بات کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کی 70 فیصد سے زائد آبادی دیہات میں رہتی ہے مگر اخبارات اور چینلز میں اس 70 فیصد آبادی کی نمائندگی 7 فیصد بھی نہیں ہے اور جو نمائندگی ہے وہ بھی بڑے شہروں کی مرہون منت ہے۔ دیہات بلکہ تحصیل کی سطح تک تو اخبارات اور چینلز کے پاس نمائندے اور نامہ نگاری موجود نہیں ہیں۔

مافیاز کے اس صنعت میں آنے کے بعد یہ سلسلہ مزید بڑھ گیا، صنعتی و مالی مفادات کے علاوہ مافیاز کی اپنی ضرورتیں اور مصلحتیں بھی تھیں جن کو پورا کرنے کے لیے بھی کئی طبقات کو اخبارات و جرائد میں نمائندگی دینا ممکن نہ تھا۔ اور اب ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کی آمد کے باعث چونکہ ان کے مفادات کا تحفظ بھی ضروری ہو گیا ہے اس لیے اب کاروباری و مالی مفادات، صنعتی ضروریات، مافیاز کی مصلحتوں کے ساتھ اس چوتھے طبقے کی ناراضگی مول لینا بھی ممکن نہیں رہا۔ بلکہ اس طبقے کے معاملات اور مفادات کا تحفظ زیادہ اہم ہو گیا ہے۔

1980 اور 1990 کی دہائی میں صحافت میں مختلف مافیاز کی آمد شروع ہوئی۔ لینڈ مافیا، منشیات کے کاروبار سے منسلک افراد، ٹیکس چھپانے کی خواہش رکھنے والے افراد اور کاروباری ادارے صحافت کے ذریعے اپنے مفادات کے تحفظ کے خواہشمند اور صحافت کی آڑ میں بعض دوسرے دھندے کرنے والے لوگ اور ادارے اس میدان میں داخل ہونے لگے۔

یہ وہ صورت ہے جس میں متبادل میڈیا کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور یہ آئیڈیا کسی حد تک مقبول بھی ہو رہا ہے۔ اگرچہ ابھی یہ نظریہ بالکل ابتدائی اور خام شکل میں ہے اس کی کوئی واضح شکل و صورت سامنے نہیں آئی اور ابھی اس کے مستقبل کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہے مگر چونکہ یہ نظریہ بنیادی طور پر مشنری صحافت، صنعتی صحافت، مافیاز کے زیر اثر صحافت اور ملکی و غیر ملکی سرمایہ کاری کی مرہون منت صحافت کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس نقطۂ نظر کی مخالفت کا آغاز ہو چکا ہے اور موجود میڈیا کے موثر حلقے اس نقطۂ نظر کو جو ابھی بالکل خام شکل میں سامنے آیا ہے اور جس کے لیے ابھی شعوری بیداری کی طویل جدوجہد درکار ہے تب جا کر اس نے کوئی عملی شکل اختیار کرنا ہے پوری شدت سے مسترد کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ موجود میڈیا کے خلاف سازش ہے جس نے طویل جدوجہد کے بعد اپنی موثریت کو منوایا ہے اور جو عوام کے ہر طبقے کی نمائندگی کر رہا ہے اسی لیے یہ عوامی حلقوں اور سول سوسائٹی میں مقبول ہے۔ اتنے مضبوط اور ایک تاریخ رکھنے والے میڈیا کا یہ خوف بے معنی سا ہے۔ اگر کچھ حلقے یہ کہتے ہیں کہ میڈیا میں معاشرے کے تمام طبقات کی نمائندگی نہیں ہو رہی یا ایسا کرنا ممکن نہیں رہا اور اس کے لیے متبادل میڈیا کو آگے لانا چاہیے تو اس میں کیا سازش ہے یہ تو فری مارکیٹ کا ایک سادہ سا اصول ہے۔ اگر آنے والا میڈیا عوامی طبقات کی نمائندگی اور پذیرائی کی صلاحیت رکھتا ہوگا تو خود بخود اپنی جگہ بنائے گا اور مقابلہ کا یہ موقع اسے ایک آزاد معاشرے میں ملنا چاہیے۔

جو لوگ متبادل میڈیا کی بات کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ معاشرے کے بہت سے طبقات کو موجودہ میڈیا میں نمائندگی نہیں مل رہی۔ ایک تو انہیں نمائندگی ملنی چاہیے دوسرے ایسے طبقات کو اپنی آواز کو موثر بنانے کیلئے میڈیا کے نئے ادارے قائم کرنے چاہئیں اس سے شاید کبھی قومی پریس کے ساتھ ایسا طبقاتی یا خصوصی پریس سامنے آ جائے جو کسی خاص طبقہ یا معاشرے کے کسی خاص حصے کی بھرپور نمائندگی کر رہا ہو۔ متبادل میڈیا کی بات کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ پاکستان کی 70 فیصد سے زائد آبادی دیہات میں رہتی ہے مگر اخبارات اور چینلز میں اس 70 فیصد آبادی کی نمائندگی 7 فیصد بھی نہیں ہے اور جو نمائندگی ہے وہ بھی بڑے شہروں کی مرہون منت ہے۔ دیہات بلکہ تحصیل کی سطح تک تو اخبارات اور چینلز کے پاس نمائندے اور نامہ نگاری موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ اس بڑی آبادی کے روز مرہ کے مسائل، مشکلات اور ان کی سرگرمیوں کی قومی پریس میں نمائندگی نہیں ہوتی۔ کوئی اہم واقعہ ہوتا ہے تو اس کے لیے میڈیا کی ٹیمیں قریبی شہروں یا اشاعتی مراکز سے بلانا پڑتی ہیں۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس کی معیشت کا بڑا انحصار زراعت پر ہے لیکن زراعت اور زرعی شعبہ سے وابستہ افراد کی اخبارات اور چینلز میں نمائندگی یا کوریج نہ ہونے کے برابر ہے۔ خود شہروں میں ہوٹل انڈسٹری، مشروب ساز اداروں، دوا ساز کمپنیوں اور دوسرے کاروباری اداروں کی سرگرمیاں، اس صنعت کے مسائل اور اس کے کارکنوں کی مشکلات کو اخبارات اور چینلز یہ کہہ کر کور کرنے سے انکار کر دیتے ہیں کہ یہ اشتہاری ادارے ہیں اور ان سے متعلق تمام خبریں ان کی اشتہاری مہم کا حصہ ہیں لہٰذا یہ ادارے خبروں کی بجائے اشتہارات دیں۔ ظاہر ہے ہر معاملہ میں اشتہار دینا ان اداروں کے لیے ممکن نہیں ہے نیز خبروں اطلاعات اور دوسری جائز سرگرمیوں کے لیے وہ اشتہار کیوں دیں چنانچہ اس اعتراض کے باعث اس لیے ان اداروں کی جائز کوریج ہی نہیں ہو پاتی، ملک بھر میں قائم ہزاروں پرائیویٹ سکولوں کی بھی اسی بنا پر کوریج نہیں ہوتی یہاں تک کہ ان سکولوں سے کوئی بچہ بورڈ میں پوزیشن حاصل کرلے تب بھی ان سکولوں کا نام شائع یا نشر نہیں کیا جاتا۔ یہی حال ملک بھر میں قائم پرائیویٹ کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے۔ بلاشبہ یہ نفع بخش ادارے ہیں لیکن ان کی خبروں، مسائل اور وہاں ہونے والی سرگرمیوں کی کوریج نہ ہونا معاشرہ کے ایک بڑے طبقے کو اس کے حق سے محروم کرنا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اخبارات میں جگہ اور چینلز میں وقت کی کمی کے باعث ملک بھر میں قائم بیسیوں سرکاری یونیورسٹیوں اور ہزاروں سرکاری کالجوں اور سرکاری سکولوں کے ساتھ بھی میڈیا میں یہی سلوک ہوتا ہے۔ حالانکہ ان میں سے شاید ہر ادارے میں ہر روز کوئی نہ کوئی چھوٹی موٹی خبر یا سرگرمی ایسی ہوتی ہے جس کی کوریج ہونی چاہیے۔ ملک کا بلدیاتی نظام بھی اسی محرومی کا شکار ہے۔

پریس کونسل آف پاکستان

دائرہ کار اور صحافیوں کے لئے ضابطہ اخلاق

حکومت پاکستان نے اکتوبر 2002 میں ایک آرڈیننس کے ذریعے پریس کونسل آف پاکستان کے قیام کا اعلان کیا جس کا مقصد پرنٹ میڈیا میں ضابطۂ اخلاق پر عملدرآمد کو یقینی بنانا تھا۔ آرڈیننس کے مطابق پریس کونسل چیئرمین سمیت 19 ارکان پر مشتمل ہوگی۔ صدر مملکت اپنی صوابدید کے تحت سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں میں سے کسی ایک یا ایسے شخص کو، جو سپریم کورٹ کا جج بننے کا اہل ہو، کونسل کا چیئرمین مقرر کرے گا۔ جبکہ دیگر نامزد ارکان درج ذیل ہوں گے:

(الف) آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی کی جانب سے چار ارکان

(ب) کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز کی جانب سے چار ارکان

(ج) صحافیوں کی پیشہ ورانہ تنظیموں کی جانب سے چار ارکان

(د) وائس چیئرمین پاکستان بار کونسل

(ر) ہائیر ایجوکیشن کمیشن کا چیئرمین یا ان کی جانب سے نامزد ایک شخص

(س) قومی اسمبلی میں قائد ایوان کی جانب سے نامزد ایک رکن

(ص) قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کی جانب سے نامزد ایک رکن

(ع) کونسل کی جانب سے نامزد ماہر تعلیم ابلاغ عامہ

(ف) نیشنل کمیشن آن سٹیٹس آف وومن کی جانب سے ایک نامزد خاتون رکن

پریس کونسل کا دائرہ کار:

آرڈیننس کے مطابق پریس کونسل کا دائرہ کار درج ذیل ہوگا:

(i) کونسل آزادی صحافت کا تحفظ کرتے ہوئے اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ اور اخلاقی معیار برقرار رکھنے کو یقینی بنانا تاکہ وہ پاکستانی سوسائٹی کو درپیش مسائل کی عکاسی کر سکیں۔

(ii) اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کو اپنی آزادی برقرار رکھنے میں مدد دینا۔

(iii) کسی بھی ایسی پیش رفت پر نظر رکھنا جس سے مفاد عامہ اور پبلک کے لئے اہمیت کی حامل خبر کی ترسیل پر قدغن کا احتمال ہو۔

(iv) اخبارات، نیوز ایجنسیوں، ایڈیٹروں، صحافیوں اور پبلشروں کے لئے ضابطۂ اخلاق پر، جو اس آرڈیننس میں وضع کیا گیا ہے، نظر ثانی، اسے لاگو کرنا اور اس پر عملدرآمد کرنا۔

(v) اخبارات، نیوز ایجنسیوں، ایڈیٹروں اور صحافیوں سے متعلق ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزی کے بارے میں شکایات وصول کرنا۔

(vi) صدر دفتر، صوبائی اور ریجن کے ذیلی دفاتر میں، جو بھی صورت ہو، شکایات کا فیصلہ کرنے کے لئے انکوائری کمیشن مقرر کرنا۔

(vii) غیر ملکی اخبارات کی سنڈی سمیت اخبارات کی سرکولیشن اور ان کی اثر پذیری کے بارے میں ہر طرح کی ریسرچ کرنا۔

(viii) حکومت کی جانب سے کونسل کو تفویض کردہ کوئی بھی اضافی سنڈی کرنا۔

☆ پریس کونسل آزادی صحافت کے لئے شیلڈ کے طور پر بھی کام کرے گی۔ وفاقی حکومت، صوبائی حکومت یا سیاسی جماعتوں سمیت کسی بھی تنظیم کی جانب سے آزادانہ صحافتی امور میں مداخلت کے خلاف پریس کونسل اخبار، صحافی یا ادارے یا اخبار سے متعلق کسی بھی فرد کی شکایت بھی وصول کرے گی۔

☆ کونسل یا کمیشن کسی پبلشر، ایڈیٹر یا صحافی کو اپنی خبر کا ذریعہ بتانے پر مجبور نہیں کرے گا۔

پریس کے لئے ضابطۂ اخلاق

شرافت، پیشہ ورانہ اصولوں اور آزادی و ذمہ داری کے تصورات کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحافتی امور کی مناسب انجام دہی کے مقصد کے حصول کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق مرتب کیا گیا ہے۔ جس کے تحت مفاد عامہ کے لئے خبر، آرٹیکل، اداریہ، فیچر، کارٹون، فوٹو اور اشتہار کی اشاعت کے وقت ایمانداری، درستگی، معروضیت اور حق و انصاف رہنما خطوط ہوں گے:

-1 اخبارات تمام ضروری اور متعلقہ حقائق کو سامنے لانے اور شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

-2 اخبارات اخلاقی معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے اور چربہ سازی اور باعث رسوائی یا بہتان پر مبنی مواد کی اشاعت سے لازماً گریز کریں گے۔

-3 اخبارات متعصبانہ رپورٹنگ اور غیر مصدقہ مواد کی اشاعت سے گریز کریں گے علاوہ ازیں قیاس پر مبنی مواد کو مصدقہ حقائق کے طور پر پیش کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ کسی فرد واحد یا چند افراد کے رویے کو عمومی رویے کے طور پر پیش کرنا غیر اخلاقی تصور ہوگا۔

-4 پریس افراد کی پرائیویسی کا احترام کرے گا اور کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گا جو نجی یا فیملی لائف اور گھر میں مداخلت کے مترادف ہوگا۔

-5 افواہوں اور غیر مصدقہ رپورٹوں سے گریز کیا جائے گا اور بفرض محال انہیں شائع بھی کیا جاتا ہے تو واضح طور پر ان کی افواہ یا غیر مصدقہ رپورٹ کے طور پر نشان دہی کی جائے گی۔

-6 تصویر سمیت کوئی بھی شائع شدہ خبر سچی اور صحیح ہوگی۔

-7 اخبارات کوئی بھی ایسا مواد شائع کرنے اور اسے پھیلانے سے گریز کریں گے جو کسی بھی فرد یا گروہ کے خلاف نسل، مذہب، ذات، فرقے، قومیت، نسلیت، صنف کی بنیاد پر امتیاز یا نفرت پیدا کرنے کا باعث بنے۔

-8 اخبارات خود کو جرم یا مجرموں کی ہیرو کے طور پر پروجیکشن کا ذریعہ نہیں بننے دیں گے۔

-9 اخبارات کوئی بھی ایسا مواد شائع کرنے یا اسے پھیلانے سے گریز کریں گے جس سے پاکستان یا اس کے عوام کی توہین کا پہلو نکلتا ہو یا جس کا مقصد ایک آزاد ملک کی حیثیت سے پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہو۔

-10 اخبارات کوئی ایسا مواد شائع نہیں کریں گے جس سے آئین پاکستان کے آرٹیکل 19 کی خلاف ورزی ہو۔

-11 اخبارات کسی بھی نقصان دہ، نادرست شائع شدہ مواد کی درستگی کریں گے۔ درستگی اور معذرت کی نمایاں جگہ پر اشاعت کو یقینی بنائیں گے اور اگر معاملہ کافی اہمیت کا حامل ہوگا تو متاثرہ فرد کے جواب دینے کے حق کو تسلیم کریں گے۔

-12 تشدد اور سفاکی پر مبنی سنسنی خیزی سے گریز کیا جائیگا۔ تمام رپورٹنگ درست ہوگی، خاص طور پر جب عدالتی کارروائی کو رپورٹ کیا جا رہا ہوگا۔ اور کسی ملزم شخص کو اس وقت تک قصوروار کے طور پر پیش نہیں کیا جائے گا جب تک عدالت اپنا فیصلہ نہ سنا دے۔

-13 بچوں اور عورتوں کے خلاف جنسی اور گھناؤنے جرائم کی صورت میں جرائم کا شکار افراد کے نام اور فوٹو شائع نہیں کئے جائیں گے۔

-14 اخبارات عوامی رائے پر مبنی سروے (opinion polls) شائع کرتے وقت لوگوں کی تعداد، جغرافیائی علاقے جہاں رائے معلوم کی گئی ہے اور رائے عامہ کے سروے کو سپانسر کرنے والے کی نشان دہی کریں گے۔

-15 کسی بھی قسم کی مالی یا دوسری رعایت یا ترغیب سے گریز کیا جائے گا جس سے مفادات کا تضاد پیدا ہوتا ہو یا پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی متاثر ہوتی ہو اور جو آزاد اور ذمہ دار پریس سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

پریس کونسل آف انڈیا کی صحافیوں پر بے جاعنایات کے بارے میں رپورٹ

پریس کونسل آف انڈیا کا خیال ہے کہ سرکاری رہائش، رعایتی نرخوں پر زمین، مفت ہوائی ٹکٹ اور کمپنی کے شیئرز جو صحافیوں، نیوز ایجنسیوں اور اخبارات کے اداروں و مالکان کو دیے جاتے ہیں وہ بے جا عنایات ہیں۔

کونسل، جس نے 1985 سے 1995 کے دوران ایک جامع مطالعاتی جائزہ لیا، اس نتیجے پر پہنچی کہ ریل، بس یا کسی دوسری ٹرانسپورٹ کی مفت سہولت جو صحافیوں کو دی جاتی ہے وہ بھی عنایات کے زمرے میں آتی ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ کمپنیوں یا ایئر لائنز کی طرف سے ہوائی سفر کے مفت ٹکٹ ایک طرح کی رشوت ہیں کہ ان کی مصنوعات اور خدمات کے حق میں لکھا جائے اور اس سے آزادانہ رپورٹنگ پر برا اثر پڑتا ہے۔

کونسل نے یہ بات نوٹ کی کہ صدر، نائب صدر، وزیر اعظم اور وزارت خارجہ کے افسران کے غیر ملکی دوروں میں صحافیوں اور ایڈیٹروں کی بجائے اخبارات کے مالکان ان کے ہمراہ تھے۔ اس نے تجویز دی کہ ایسے دوروں میں اخبارات کو سب سے زیادہ اہل افراد کو نامزد کرنا چاہئے۔ کمیشن نے یہ بھی کہا کہ وزرائے اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈ سے بلا روک ٹوک ادائیگیوں سے صحافت کے مشن سے عدم وفاداری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور بدعنوانی کو فروغ ملتا ہے۔ کونسل کی سفارشات درج ذیل ہیں:

سفارشات:

صحافیوں پر بے جا عنایات کے بارے میں کونسل کی کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی کہ درج ذیل عنایات جو اب تک حکومت اور محکموں، کمپنیوں اور کارپوریشنوں کی طرف سے کی جاری تھیں، درج ذیل آبزرویشن کے تحت عنایات میں شمار ہوں گی۔

1۔ رہائش: سرکاری مکانات رفلیٹ رزمین

کمیٹی کا خیال ہے کہ یہ اخبارات کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملازمین کو رہائش فراہم کرے۔ کمیٹی نے کہا کہ پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ صحافی سرکاری رہائش کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ وہ سرکاری ملازمین نہیں ہیں۔ عدالت نے کہا کہ چنڈی گڑھ انتظامیہ کے پاس ان الاٹمنٹس کے سلسلے میں کوئی قواعد وضوابط یا رہنما اصول موجود نہیں تھے۔ عدالت نے کہا کہ موجودہ قواعد وضوابط صرف سرکاری ملازمین کے لئے ہیں اور صحافیوں کو ان کے دائرہ کار میں لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کمیٹی نے مزید کہا کہ مرکزی حکومت نے دوسرے پریس کمیشن کی اپنی تجاویز پر کئے جانے والے اقدامات کی رپورٹ میں کہا کہ صحافیوں کو مزید کوئی سرکاری رہائش فراہم نہیں کی جائے گی۔ مرکزی دارالحکومت اور صوبوں میں جو رہائش گاہیں اس وقت الاٹ ہو چکی ہیں ان پر بغیر رعایت کے نرخوں پر وصولی کی جائے اور موجودہ رہائشی کے رہائش چھوڑنے پر بتدریج الاٹمنٹس ختم کی جائیں گی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ صحافیوں کو مزید کوئی سرکاری رہائش فراہم نہیں کی جائے گی اور موجودہ الاٹمنٹس پر غیر رعایتی نرخوں کے حساب سے کرایہ لیا جائے گا یہ فیصلہ تقریباً دس برس پہلے کیا گیا تھا تاہم الاٹمنٹس کا سلسلہ جاری رہا۔

کمیٹی نے یہ بھی نوٹ کیا کہ حکومتیں اخبارات مالکان کو قیمتی زمینیں معمولی قیمتوں پر دے رہی ہیں۔ بعض اخباری اداروں نے ایک چھوٹا سا حصہ اپنے استعمال کے لئے رکھ کر باقی پوری کی پوری عمارت کرائے پر دے رکھی ہے یا پوری عمارت کو ایک کمرشل کمپلیکس میں تبدیل کر دیا ہے اور بہت منافع کما رہے ہیں۔ بعض صورتوں میں یہ دیکھنے میں آیا کہ اخبارات نے پوری عمارت کرائے پر دینے کے بعد مزید کسی جگہ پر الاٹمنٹ حاصل کرنے کیلئے اپنے نمائندوں پر حملوں جیسے واقعات کی رپورٹنگ بھی بند کر دی تاکہ حکومت کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے رہیں۔ ایسے اخبارات فاشسٹ قوتوں کے ساتھ اور آزادی صحافت کے خلاف سمجھوتہ کر رہے ہیں۔

2۔ کمپنیوں کے شیئرز کی الاٹمنٹ: کمیٹی کا خیال تھا کہ اگر شیئرز کسی خصوصی قیمت پر یا کسی کوٹے کے تحت دیے جاتے ہیں تو اسے بے جا عنایت تصور کیا جائے گا۔ پریس کونسل آف انڈیا نے فنانشل رپورٹرز کیلئے پہلے ہی رہنما اصول جاری کر دیے ہیں۔

3۔ بس، ریل کا سفر رٹرانسپورٹ: کمیٹی کا خیال تھا کہ بڑے اور درمیانے اخبارات کے معاملے میں یہ عنایات کے زمرے میں آتا ہے۔ وہ صحافی جو منافع بخش اخبارات سے منسلک ہیں ان کے پاس بس، ریل یا ہوائی جہاز کے رعایتی ٹکٹ حاصل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تاہم چھوٹے اخبارات کے معاملے میں اس سہولت کی فراہمی کا جواز موجود ہے۔ صحافی جو عام لوگوں کی سطح پر کام کرتے ہیں اور چھوٹے اخبارات سے منسلک ہیں انہیں ویج بورڈ ایوارڈز کی مقرر کردہ کم سے کم تنخواہ دی جاتی ہے۔ زیادہ تر چھوٹے اخبارات کی مالی حالت دگرگوں ہوتی ہے اور ایسی سہولت کے بغیر وہ ایسی تمام خبریں تیار نہیں کر سکیں گے جو ان کے قارئین تک پہنچنی چاہئیں۔ بہت سی مقامی سطح کی خبریں جو ان اخباروں میں چھپتی ہیں وہ بڑے اور درمیانے اخبارات انہی سے اٹھا لیتے ہیں۔ چھوٹے اخبارات کے صحافی اور فری لانس صحافی جو یہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتے انہیں جہاں تک ممکن ہو یہ سہولت ملنی چاہئے۔

4۔ بیرون ملک سفر: کمپنیاں، کارپوریشنز اور ایئر لائنز صحافیوں کو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک سفر کیلئے بھی سہولت مہیا کرتی ہیں اور صحافی اسے خوشی خوشی قبول کر لیتے ہیں۔ یہ ان کی مصنوعات یا ایئر لائن کی حمایت میں لکھوانے کیلئے ایک طرح کی رشوت ہے۔ ان طریقوں سے مصنوعات اور ایئر لائنز کے حق میں پراپیگنڈہ مہم چلائی جاتی ہے تاکہ یہ مصنوعات یا ایئر لائن مقبول ہو سکے۔ اس سے بلاشبہ آزادانہ رپورٹنگ میں مداخلت ہوتی ہے۔

1986 سے پہلے صدر، نائب صدر، وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے غیر ملکی دوروں میں ان کے ساتھ جانے کیلئے صحافیوں کا انتخاب پسند ناپسند کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ لیکن 1987 میں پریس کونسل آف انڈیا نے وزیر اعظم کے دوروں میں ساتھ جانے والے صحافیوں کے انتخاب کیلئے رہنما اصول مرتب کئے اور اب ان کی عام طور پر پابندی کی جا رہی تھی۔ تاہم کمیٹی نے یہ نوٹ کیا کہ اکثر اوقات صحافیوں اور ایڈیٹروں کی بجائے اخبارات کے مالکان صدر اور وزیر اعظم کے دوروں میں ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ کمیٹی نے سفارش کی کہ اخبارات کو ان دوروں کیلئے سب سے زیادہ اہلیت رکھنے والے ایڈیٹرز رپورٹرز کو نامزد کرنا چاہئے۔

5۔ ہوائی جہاز کا مفت ٹکٹ: کمیٹی کا خیال تھا کہ یہ ایک بے جا عنایت ہے کیونکہ اس سے صحافیوں کو ایئر لائن کے حق میں لکھنے کی ترغیب ملتی ہے جس سے ان کا کاروبار ترقی پاتا ہے۔

6۔ وزیر اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈ سے نقد ادائیگیاں: کمیٹی کا خیال تھا کہ اس بارے میں رہنما ہدایات موجود ہیں کہ وزیر اعلیٰ یا کسی دوسرے عہدیدار کے صوابدیدی فنڈ کو کس طرح خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا جانا چاہئے۔ وزیر اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈ سے رقوم کی بے دریغ ادائیگیوں کی وجہ سے صحافت کے مشن سے عدم وفاداری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

7۔ مالی معاونت: کمیٹی کا خیال تھا کہ اگر مالی مدد علاج وغیرہ کی غرض سے دی جاتی ہے، تب بھی یہ ایک طرح کی عنایت ہی ہے سوائے اس کے کہ علاج کی سہولت ایک واضح پالیسی کے تحت یکساں طور پر ان تمام لوگوں کو فراہم کی جارہی ہو جو بے سہارا اور بیمار ہیں اور یہ اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اور اگر کوئی صحافی اتفاقاً اس زمرے میں آیا ہو تو اس صورت میں اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ دہلی میں پی آئی بی سے ایکریڈیٹڈ تمام صحافی سی جی ایچ ایس کی سہولت استعمال کر سکتے ہیں۔ کمیٹی کا خیال ہے کہ سی جی ایچ ایس کی سہولت صحافیوں کو فراہم کرنا غیر منطقی ہے کیونکہ سی جی ایچ ایس کی سہولت صرف سرکاری ملازمین کیلئے مخصوص ہے۔ اپنے ملازمین کو طبی سہولیات فراہم کرنا اخبار کے ادارے کی ذمہ داری ہے۔

8-9۔ میڈیا سنٹر کیلئے فنڈز اور صحافی تنظیموں کیلئے گرانٹس: کمیٹی کا خیال تھا کہ یہ ایک عنایت ہے سوائے اس کے کہ یہ صحافیوں کی پیشہ ورانہ صلاحیت کو بڑھانے کیلئے دی جارہی ہو۔

10۔ اشتہاری ایجنسیوں کی طرف سے تحائف میں دیئے گئے چیک: اشتہاری ایجنسیوں کی طرف سے تحائف میں دیئے گئے چیک تاکہ ان کے کلائنٹ کے پریس نوٹ شائع کئے جائیں۔ کمیٹی کا خیال تھا کہ یہ مکمل طور پر عنایات کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی مذمت کی جانی چاہئے۔

11۔ دوسرے تحائف: کمیٹی کی رائے تھی کہ کسی بھی قسم کے تحائف خواہ ان کی مالیت کچھ ہی کیوں نہ ہو قابل مذمت ہیں۔

12۔ مفت پارکنگ: کمیٹی کی رائے تھی کہ یہ عنایات کے زمرے میں آتی ہے اگر صحافی اسے اپنے پیشہ ورانہ مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کیلئے بھی استعمال کرتا ہے۔

13۔ مہمان کی حیثیت: کمیٹی کی رائے تھی کہ پیشہ ور صحافیوں کو اصولاً سرکاری مہمان کا درجہ نہیں ملنا چاہئے۔ اگر کسی فرد کو سرکاری مہمان کا درجہ دیا جاتا ہے تو وہ خود بخود بہت سی بلا معاوضہ سہولیات کا حقدار قرار پاتا ہے۔ تاہم جب پریس کی ٹیموں کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں مدعو کیا جاتا ہے تو ان کیلئے مناسب انتظامات کرنا ایک استثنیٰ ہونا چاہئے۔ کمیٹی نے مزید کہا کہ سرکاری گیسٹ ہاؤسز میں صحافیوں کا ٹھہرنا قابل قبول ہو سکتا ہے اگر وہ پیشہ ورانہ فرائض کی ادائیگی کیلئے ہو۔

14۔ ڈیوٹی فری کیمروں اور کمپیوٹر کے سامان کی درآمد: کمیٹی کی رائے تھی کہ یہ اخبار کے ادارے کی ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کارندوں کو کیمرے اور کمپیوٹر مہیا کرے۔ کسی صحافی کو انفرادی حیثیت میں اپنے کام کیلئے کیمرہ یا کمپیوٹر خریدنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے مرکزی حکومت نے صحافیوں کو ڈیوٹی فری کیمرہ اور کمپیوٹر منگوانے کی اجازت دی تھی۔ کمیٹی کا خیال تھا کہ یہ سہولت عنایات کے زمرے میں آتی ہے تاہم کمیٹی نے خیال ظاہر کیا کہ اکریڈیٹیڈ فری لانس صحافیوں کو یہ سہولت مل سکتی ہے بشرطیکہ اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

15۔ بیمے کا پریمیم: کمیٹی کا خیال تھا کہ صحافیوں کے بیمے کا پریمیم ادا کرنا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ادارے کی یا متعلقہ فرد کی ذمہ داری ہونی چاہئے کہ جب یہ سالانہ سکیم شروع ہو جائے تو وہ سالانہ واجبات ادا کریں۔

16۔ رشتہ داروں کیلئے نوکریاں: صحافیوں کے رشتہ داروں کو میرٹ کے بغیر نوکریاں دینا واضح طور پر لالچ دینے کی ایک کوشش ہے۔

17۔ قرضے: کمیٹی کا کہنا تھا کہ اس دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے جس کے تحت تمام شہریوں کو قرضے ملتے ہیں، قرضوں کی سہولت جائز ہے لیکن جہاں قرضہ صرف صحافی کو دیا جاتا ہے یا کم شرح سود پر دیا جاتا ہے یا جہاں واجب الادا سود یا اصل زر معاف کر دیا جاتا ہے، رعایت دے دی جاتی ہے، تو ایسی رعایت کو بلا جواز عنایات میں شمار کیا جائے گا۔

18۔ کمیٹیوں میں نامزدگی: کمیٹی کا خیال تھا کہ بعض ریاستوں میں صحافیوں کو بعض تنظیموں اور اداروں مثلاً پبلک سروس کمیشن میں نامزد کیا جاتا ہے اور ریاستی وزیر یا کابینہ کے وزیر کا درجہ بھی دیا جاتا ہے جو کہ ایک غلط رواج ہے۔ سوائے پیشہ ورانہ اداروں اور کمیٹیوں کے جن میں مختلف پیشوں کے افراد کا کوٹہ مقرر ہوتا ہے یہ طریق کار عنایات کے زمرے میں آتا ہے۔

19۔ پی سی او رفیکس رفون بوتھ یا سنٹر: کمیٹی کی رائے تھی کہ یہ چیزیں اگر تحفے کے طور پر دی جائیں تو یقیناً عنایات کے زمرے میں آتی ہے۔ تاہم فون اور فیکس کی جو سہولت صحافیوں کو مہیا کی جاتی ہے اسے بوتھ کی الاٹمنٹ سے الگ رکھ کر دیکھا جانا چاہئے۔

20۔ پنشن کی مراعات: کمیٹی کی رائے میں چونکہ ریاست کا چوتھا ستون حکومت کا حصہ نہیں ہے اس لئے اگر حکومت کی طرف سے پنشن کی مراعات فراہم کی جائیں تو یہ عنایات میں شمار ہوگی۔ حکام کا کردار اس حد تک محدود ہونا چاہئے کہ وہ اخباری اداروں کی طرف سے ویج بورڈ پر عملدر آمد کو یقینی بنائیں۔

21۔ پریس کلب۔ فنڈز کے عطیات: کمیٹی نے کہا کہ یہ طریق کار ملک بھر میں عام ہے اور وزیر اعلیٰ، وزراء اور رہنماؤں کی طرف سے نہ صرف اصل پریس کلبوں کو بلکہ مشکوک قسم کے پریس کلبوں کو فراخدلانہ عطیات دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک کوشش ہے کہ صحافیوں کو عطیات دینے والوں کے بارے میں موافقانہ رپورٹ شائع کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

22۔ انعامات: کمیٹی نے محسوس کیا کہ جعلی ایوارڈز دینے کے رواج کو روکنے کی ضرورت ہے۔ ایسی مثالیں موجود تھیں، جن کا یہاں تذکرہ ضروری نہیں، جن میں دھوکہ بازوں کی طرف سے ایوارڈز اور انعامات کو پیسہ کمانے کیلئے فروخت کیا گیا۔ نہ صرف دھوکے باز بلکہ ایوارڈ پانے والے خود بھی انعام کی قیمت کیلئے رقم مہیا کر رہے تھے۔

23۔ دکانیں: صحافیوں کی حیثیت سے دکانوں کی الاٹمنٹ سراسر عنایات میں شمار ہوگی۔

مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ صحافی اور اخباری ادارے درج ذیل سہولیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں:

1۔ سرکاری مکانات رفلیٹس میں رہائش، زمین کی فراہمی
2۔ کمپنیوں میں حصص کی الاٹمنٹ
3۔ بس رریل کا سفر رٹرانسپورٹ
4۔ بیرون ملک سفر
5۔ ہوائی جہاز کے مفت ٹکٹ
6۔ وزیر اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈز سے نقد ادائیگی
7۔ مالی امداد
8۔ میڈیا سنٹر وغیرہ کیلئے فنڈز
9۔ صحافیوں کی انجمنوں کیلئے عطیات
10۔ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کی طرف سے ان کے کلائنٹس کے پریس ریلیز چھاپنے کیلئے چیک بطور تحفہ
11۔ دوسرے تحائف
12۔ مفت پارکنگ
13۔ مہمانداری کی مراعات
14۔ کیمرے اور کمپیوٹر کی ڈیوٹی فری درآمد
15۔ بیمے کا پریمیم
16۔ رشتہ داروں کیلئے ملازمتیں
17۔ قرضے
18۔ کمیٹیوں کیلئے نامزدگی
19۔ پی سی او رفون رفیکس
20۔ پنشن کی مراعات
21۔ پریس کلب کیلئے نقد عطیات دینا
22۔ انعامات
23۔ دکانیں
24۔ ایکریڈیٹیشن
25۔ حکومت اور سرکاری اداروں کے اشتہارات
26۔ انتخابی سہولیات
27۔ صحافیوں کے کنونشنز یا سیمینارز وغیرہ کے اخراجات برداشت کرنا
28۔ پریس پارٹیوں کو مدعو کرنا
29۔ اشاعتی مواد جو پریس کانفرنسوں کے دوران جاری کیا گیا
30۔ تربیت

سہولیات

1۔ ایکریڈیٹیشن: سنٹرل پریس ایکریڈیٹیشن کمیٹی کے قیام کے طریق کار پر تمام ریاستوں اور وفاق کی اکائیوں میں عمل کیا جانا چاہئے۔ سی پی اے سی میں اس وقت نمائندگان، صحافیوں، مالکان، ایڈیٹروں اور پریس انفارمیشن بیورو کے پرنسپل انفارمیشن افسر کی سربراہی میں غیر ادارتی تنظیموں کی مناسب نمائندگی موجود ہے۔ ایک اور افسر ڈائریکٹر آف ایکسٹرنل پبلسٹی کو بھی اجلاس میں بلا لیا جاتا ہے جب کبھی غیر ملکی ایکریڈیٹیشن کا معاملہ زیر غور آتا ہے۔ تاہم اس بات کو لازمی قرار دیا جانا چاہئے کہ نئی ایکریڈیٹیشن کمیٹی پرانی کمیٹی کی مدت ختم ہونے کے ایک ماہ کے اندر اندر قائم کی جائے اور کمیٹی کا اجلاس ہر تین ماہ بعد منعقد ہو۔ اگر کوئی عبوری ایکریڈیٹیشن دی گئی ہو تو اسے اس کے بعد ہونے والے پہلے اجلاس میں زیر غور آنا چاہئے۔

2۔ حکومت اور سرکاری اداروں کے اشتہارات: اگر پہلے سے طے شدہ پالیسی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے عمل کیا جائے تو یہ باہمی فائدے کا لین دین ہوگا۔ تاہم، جب یہ اخبارات کو الگ الگ ایڈہاک بنیادوں پر یا کسی بیرونی مقصد کیلئے دیے جاتے ہیں یا جو مرکزی ایجنسی کے ذریعے نہیں دیے جاتے وہ عنایات کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومتیں اور سرکاری ادارے بشمول ریلوے کو اپنی سالانہ رپورٹوں میں اس بارے میں معلومات دینی چاہئیں کہ صحافیوں اور ان کے اداروں کو کتنی مراعات اور اشتہارات دیئے گئے تاکہ ان کے کام میں زیادہ شفافیت کو یقینی بنایا جا سکے۔

3۔ انتخابی سہولیات: کمیٹی کی رائے تھی کہ یہ لازمی ہے تاکہ صحافی انتخابات سے متعلق سرگرمیوں کی مناسب کوریج کر سکیں۔ انہیں الیکشن کمیشن آف انڈیا کی طرف سے عائد کی گئی بعض پابندیوں کے سوا ہر قسم کی معلومات کے ذرائع تک رسائی حاصل ہونی چاہئے۔

4۔ صحافیوں کے کنونشنز یا سیمینارز کے اخراجات اٹھانا: کمیٹی کی رائے تھی کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے تاوقتیکہ اس کے پردے میں حکومت یا سرکاری اداروں کی طرف سے نقد رقوم نہ دی جائیں۔

5۔ پریس روم: یہ ایک سہولت ہے جو فراہم کی جانی چاہئے تاکہ صحافی اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں بطریق احسن نبھا سکیں۔

6۔ پریس پارٹیوں کو مدعو کرنا: کمیٹی کی رائے تھی کہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ ایک سہولت ہے جو حکام کی طرف سے عوام کو مفاد عامہ کے معاملات پر معلومات دینے کی غرض سے فراہم کی جاتی ہے۔

7۔ پریس کانفرنس کے دوران اشاعتی مواد: کمیٹی کی رائے تھی کہ یہ ایک سہولت ہے۔

8۔ تربیت: کمیٹی کا خیال تھا کہ یہ ایک سہولت ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے کیونکہ اس سے ان تمام لوگوں کے علم اور استعداد کار میں اضافہ ہوگا جو صحافت کے شعبے سے منسلک ہیں۔

پریس کونسل آف انڈیا نے مزید کہا کہ:

وہ ریاستی حکومتیں اور وفاق کے علاقے جنہوں نے مکمل معلومات کونسل کو فراہم نہیں کیں ان میں آندھرا پردیش، چنڈی گڑھ، گجرات، ہریانہ، کیرالہ، مدھیہ پردیش، مہاراشٹرا، اڑیسہ، پنجاب اور اتر پردیش کی حکومتیں شامل ہیں۔

ہمارے میڈیا کی آزادی:

صحافیوں کے بجائے مالکان تک پہنچی ہے (منو بھائی)

میڈیا کی آزادی پر جامعہ گجرات میں ایک سیمینار

آج کا دور عہد ابلاغیات ہے۔ اس وسیع و عریض دنیا کو ایک اکائی میں اسی ابلاغیات نے بدلا ہے۔ موجودہ معاشرے میں معلومات آکسیجن کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ میڈیا کی جدید تکنیک اور ضرورت نے معلومات کا

> آزاد میڈیا سچ لکھتا ہے جب کہ ہم تو کسی سے صداقت مانگ کر لکھتے ہیں، مانگی ہوئی صداقت سچائی نہیں انفارمیشن ہوتی ہے، آج بھی معلومات تک رسائی عام نہیں ہے۔

سیلاب لاکر ہر ایک سے اپنی اہمیت اور طاقت کو تسلیم کروایا ہے۔ امریکہ جیسی واحد سپر پاور سے لے کر ملایا جیسی چھوٹی سی ریاست تک کوئی میڈیا سے آنکھیں دو چار کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اب تو میڈیا نے خود کو ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر بھی منوا لیا ہے۔ مقننہ قانون بناتی ہے، عدلیہ اس کی تشریح کرتی ہے انتظامیہ اسے نافذ کرتی ہے اور میڈیا اس سارے عمل کے لئے رائے عامہ تیار کرتی ہے۔

نامور امریکی صحافی والٹر لپ مین نے اپنی کتاب ''رائے عامہ'' میں ایک جزیرے کی کہانی بیان کی ہے جہاں چند انگریز، فرانسیسی اور جرمن رہتے تھے۔ بد قسمتی سے وہاں ڈاک پہنچنے کا انتظام نہیں تھا۔ دو اڑھائی ماہ بعد ایک کشتی کے ذریعے مختصر سی ڈاک ان تک پہنچتی تھی۔ 14، 15 ستمبر 1914 کے دن تھے۔ مختلف قوموں اور ممالک سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ محبت اور قربت سے رہ رہے تھے اور باہم مل جل کر ڈاک لانے والی کشتی کے منتظر تھے۔ آخر کار کشتی پہنچی کیپٹن نے ڈاک ان کے حوالے کرنے کے علاوہ یہ خبر بھی سنائی کہ اوائل اگست سے برطانیہ و فرانس، جرمنی کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جنگ کی خبر سنتے ہی لوگوں کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا حالانکہ جب سے جنگ شروع تھی یہ بے خبر لوگ محبت و الفت سے اکٹھے رہ رہے تھے۔ بس ایک خبر نے رویے بدل دیے۔ لپ مین کا خیال ہے کہ قوموں کا رویہ ایک دوسرے کے بارے میں اس تصور کے مطابق بنتا ہے جو ان کے ذہنوں میں تشکیل پاتی ہے اور اس تصور کے بنانے میں ان معلومات کا بہت ہاتھ ہوتا ہے جو کسی معاشرے کے عام انسان تک پہنچائی جاتی ہیں۔

چنانچہ کسی ملک یا معاشرے میں ذرائع ابلاغ جس آزادی، ایمانداری اور ذمہ داری سے معلومات پہنچاتے ہیں ویسا ہی ایماندار اور ذمہ دار ذہن و کردار پروان چڑھتا ہے۔ کسی قوم کے مزاج اور کردار کا اعلیٰ ترین اظہار اس کی صحافت اور ذرائع ابلاغ ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ کسی قوم یا ملک کا میڈیا اس کی سیاست، ثقافت، فکری بالیدگی اور قومی اداروں کے عزائم کے حوصلوں کا عکاس ہوتا ہے۔ آزاد میڈیا وہ واحد معیار ہے جس پر عمل کر کوئی قوم اپنی مجموعی شخصیت و حیثیت، اپنی کمزوریوں اور خوبیوں اور اپنی کامیابیوں و ناکامیوں سے آگاہ ہوتی ہے۔ کسی پابند معاشرے کا مقید یا مقبوضہ میڈیا اس سماج کا حقیقی عکاس و مظہر نہیں ہو سکتا۔

ہمارا میڈیا عرصہ دراز تک مظلومیت اور بے بسی کی کیفیت میں مبتلا رہا، خدا خدا کر کے گزشتہ چند سالوں میں میڈیا کو طویل جدو جہد کا ثمر ملا اور اس نے آزادی حاصل کر لی مگر آزادی کی فضا میں بریکنگ نیوز کا چلن میڈیا کے حقیقی مقاصد پر اس طرح غالب آیا کہ لوگ اس آزادی پر سوالیہ نشان لگانے لگے۔ بلاشبہ میڈیا دو دھاری تلوار ہے، اب یہ میڈیا والوں پر منحصر ہے کہ وہ اس تلوار سے کیا کام لیتے ہیں؟

پاکستان کے آزاد پریس کے حوالے سے بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہاں کا بالغ میڈیا آزادی کا درست استعمال نہیں کر رہا بلکہ اس نے سنجیدہ اور قومی راہنمائی کا کردار ادا کرنے کے بجائے چٹ پٹی رپورٹوں، سنسنی خیز خبروں اور رنگین مزاجی کو فروغ دینے میں زیادہ کردار ادا کیا ہے۔ جوش آزادی میں میڈیا والوں نے یہاں قوم و قومی مفادات کو گھائل ہی کیا ہے اور اکثر و بیشتر ذرے بے مقدار کو کوہ ہمالیہ اور قطرہ کو قلزم بنا کر پیش کیا ہے۔ تاہم میڈیا اس الزام کو رد کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ذرائع ابلاغ ایسے آئینے کا فریضہ ادا کرتے ہیں جس میں افراد یا کسی بھی معاشرے کی شکل ہو بہو دیکھی جا سکے۔ اگر فی الواقع صورت اپنی شبیہ سے مختلف دکھائی دے تو آئینہ تبدیل کرنے کا مشورہ دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ رونمائی کوتاہ قامتی اور خدو خال کے حقیقی عیوب نمایاں کر دے تو اس میں آئینے کا کیا دوش......؟

میڈیا کی آزادی کے حوالے سے مذکورہ بحث بائے نظری کی موجودگی اس شعبے کے مستقبل کے حوالے سے غور طلب ہے۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جامعہ گجرات کے شعبہ ماس کمیونیکیشن و میڈیا سنٹر نے ایک سنجیدہ سیمینار کا انعقاد

> پاکستان کے آزاد پریس کے حوالے سے بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہاں کا بالغ میڈیا آزادی کا درست استعمال نہیں کر رہا بلکہ اس نے سنجیدہ اور قومی راہنمائی کا کردار ادا کرنے کے بجائے چٹ پٹی رپورٹوں، سنسنی خیز خبروں اور رنگین مزاجی کو فروغ دینے میں زیادہ کردار ادا کیا ہے۔

ممکن بنایا اور اس موضوع پر اظہار خیال کے لئے کہنہ مشق و تجربہ کار اساتذہ اور صحافیوں کو مدعو کیا۔ شعبہ ابلاغیات کے چیئرمین و ممتاز دانشور پروفیسر سید شبیر حسین شاہ کے جامع کلیدی خطبے سے سیمینار کا آغاز ہوا۔ انہوں نے موضوع کا فکری و تنقیدی محاکمہ کیا اور سیمینار کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ شعبہ ابلاغیات کے عصری زعماؤں کو طالبعلموں کے رو برو بٹھا کر عصری مسائل پر نتیجہ خیز مکالمہ کیا جائے نیز میڈیا سے وابستہ ماہرین کو براہ راست سننے اور سمجھنے کے مواقع فراہم کئے جا سکیں۔ سید شبیر حسین نے میڈیا میں عالمی ذرائع ابلاغ کی اجارہ داری اور رائے عامہ کی تشکیل میں عالمی میڈیا کے مفاداتی کردار کو نمایاں کیا نیز پاکستان میں میڈیا کی آزادی کو اجتماعی صورتحال سے جوڑتے ہوئے کہا کہ جب ہمارے سماج کی بحر ہی آزادانہ رویوں کی حامل نہیں نہ ہی یہاں کی پارلیمینٹ آزاد و خود مختار ہے، نہ موثر اور مضبوط آئین و آئینی ادارے ہیں، اور نہ یہاں متحرک اور طاقتور سول سوسائٹی ہے۔ ایسے سماج میں میڈیا کی آزادی بذات خود لمحہ فکریہ ہے۔ ہمارا میڈیا بھی مغربی معلومات کی یلغار کے سامنے تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے عاری دکھائی دیتا ہے۔ صحت مند آزادی ہی میڈیا کو صحت مند رائے عامہ کو فروغ دینے میں کردار ادا کرنے کا اہل بنا سکتی ہے۔ غیر جانبدار تحقیق و سچائی پر مبنی میڈیا کی آزادی ہی ریاستی پالیسی سازی اور فیصلہ سازی میں معاون ہو سکتی ہے۔

معروف صحافی وجاہت مسعود نے کہا کہ پاکستان میں میڈیا کی آزادی کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے۔ عالمی اداروں کی رینکنگ میں ہمارا 152 نمبر پر ہونا لمحہ فکریہ ہے۔ میڈیا کی آزادی بلاشبہ انسانی حقوق کے ساتھ جڑی ہے۔ یہاں ریاست کے غالب نظریے، حقوق انسانی اور صحافت کی آزادی کے محافظ نہیں ہیں۔ آزاد میڈیا میں سب سے پہلے صحافی

کو ضمانت درکار ہے کہ کوئی اسے نقصان پہنچائے تو ریاست اس کو تحفظ دے گی۔ جس ریاست میں ریاست کی عملداری کی لڑائی جاری ہو وہاں یہ تحفظ کون دے گا۔ وجاہت مسعود نے کہا کہ وہ میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون نہیں مانتے اور نہ اسے چوتھا ستون ہونا چاہیے۔ ریاست کے ستونوں کی آئینی تقسیم کے بعد کسی اور ستون کا تذکرہ غیر آئینی ہے اور نہ ہی صحافیوں کو فیصلہ سازی کا حق ہے۔ میڈیا کا کام اپنی معلومات اور رپورٹوں کی روشنی میں عوام کو معروضی انداز میں حقائق اور اعداد و شمار سے آگاہ کرنا ہے۔ میڈیا کی آزادی کا مطلب ذاتی تعلقات اور ان کی نمائش پر مبنی کالم خبریں اور رپورٹیں لکھنا نہیں ہے۔ پلاٹو کریسی سے میڈیا مضبوط اور آزاد نہیں ہوتا۔

ممتاز کالم نگار ہارون الرشید کا کہنا تھا پاکستان میں پریس بہت حد تک آزاد ہے بس میڈیا والوں کو بات کہنے کا سلیقہ آنا چاہیے۔ یہاں طویل مارشل لاؤں کے دور میں پابندیاں رہی ہیں مگر ان ادوار میں بھی اشاروں کنایوں میں بات ہو سکتی تھی۔ ہمارے ہاں انڈیا سے زیادہ آزادی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں میڈیا کی آزادی کی بدولت ہی یہاں زرد صحافت اپنی موت آپ مرگئی ہے۔ اب صحافت یہاں ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔ یہاں انتہا پسند مذہبی گروہوں سے سب کو خطرہ ہے۔ حکومت سے پریس و میڈیا کو کوئی خطرہ نہیں۔ میڈیا کی آزادی کو مثبت اور ثمر آور بنانے کے لئے رائے عامہ کو کردار ادا کرنا ہوگا۔ میڈیا وہ مچھلی ہے جو رائے عامہ کے سمندر میں ہی زندہ رہتی ہے۔

سینئر تجزیہ کار و کالم نگار منو بھائی نے کہا کہ ہارون الرشید کو یہاں آزادی نظر آتی ہے تو اچھی بات ہے۔ ہم تو صدیوں سے راجوں، مہاراجوں اور اسٹیبلشمنٹ کے غلام ہیں۔ آزادی ہی ہے کہ یہاں ان جیسے قلم کار بھی جنرل کیانی کی تعریف کر رہے ہیں۔ یہ ہماری دیرینہ عادت ہے۔ منو بھائی نے کہا کہ ہمارے ہاں میڈیا کی آزادی صحافیوں کے بجائے مالکان تک پہنچی ہے۔ آزاد میڈیا سچ لکھتا ہے جب کہ ہم تو کسی سے صداقت مانگ کر لکھتے ہیں، مانگی ہوئی صداقت سچائی نہیں انفارمیشن ہوتی ہے، آج بھی معلومات تک رسائی عام نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں ہماری تربیت اس انداز سے ہوئی ہے کہ ہم غلامی قبول کر لیتے ہیں۔ میڈیا کی آزادی بذات خود تب تک ناکافی ہے جب تک دیگر متعلقہ آزادیاں سماج میں موجود نہ ہوں۔ اصل آزادی یہ ہے کہ عوام تک سچ پہنچ سکے جو یہاں ابھی ممکن نہیں ہوا۔ میڈیا اور دیگر اداروں میں ارتقاء کی ضرورت ہے کیونکہ خام اطلاع عام کھلی ہوئی ادویات کی طرح مضر ہوتی ہے جو اطلاع تو دیتی ہے دانائی کا سبب نہیں بنتی۔

ہیومن رائٹس کمیشن کے ڈائریکٹر، دانشور اور صحافی آئی اے رحمان نے کہا کہ آزادئ اظہار اور آزادئ اطلاعات دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں آزادیاں ویسے ہی ناپید ہیں۔ یہاں سیاست کی تباہی نے سماج کو اور معاشرتی تباہی نے عوام کو برباد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ یہاں عوام کو اطلاع کے حصول کا شعور ہے اور نہ ہی اطلاع کے حصول کی آزادی حاصل ہے۔ پاکستانی سماج کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لئے آزادئ اظہار کو یقینی بنانا ناگزیر ہے۔ انہوں نے 2002 کے پریس ایکٹ پر گفتگو کرتے ہوئے اسے میڈیا کی آزادی تک تاریخ کا سیاہ ایکٹ قرار دیا۔ آئی اے رحمان نے مزید کہا کہ ہمارا سماج آزادی دشمن ہے۔ یہ بڑوں کے سامنے سوال کرنا بدتہذیبی قرار دیتا ہے اور عمومی سطح پر سوال کو مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ ہمیں لوگوں کو سوال کرنے کا شعور اور آزادی دینا ہوگی۔ اس وقت ہمارا میڈیا عمومی غیر جانبداری، آزادی کی تشہیریت اور ناقدانہ نقطہ نظر کی وجہ سے تھوڑا آزاد ہے اور یہ نجی اداروں کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ تاہم یہاں اشتہارات ایسا ہتھکنڈہ ہیں جو ذرائع ابلاغ کے نو آزاد پنچھی کے پرنچ کرنے کے درپے ہیں۔

مہمان خصوصی جامعہ پنجاب کے ڈین اور انسٹی ٹیوٹ آف کمیونیکیشن سٹڈیز کے سابق ڈائریکٹر پروفیسر مغیث الدین شیخ نے کہا کہ ہمارے ہاں میڈیا کی آزادی کا چرچا تو بہت ہے لیکن وضاحت نہیں کی جاتی کہ یہ صحافیوں کی آزادی ہے یا مالکان کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا صحافی دونوں سے آزادی چاہتا ہے۔ ہمارے کارکن صحافی بے بسی کا شکار ہیں اور وہ مالکان کی اجارہ داریوں سے تنگ ہیں۔ یہاں یونین آف جرنلسٹس پیچھے چلی گئی ہیں اور پریس کلب آگے آگئے ہیں۔ ہمارے ہاں میڈیا محض میڈیا نہیں رہا بلکہ ایک کاروبار اور اطلاع ایک قابل خرید و فروخت پراڈکٹ بن گئی ہے۔ کمرشلائزیشن نے میڈیا کی آزادی کو بڑے صنعتی اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھوں رہن رکھا ہوا ہے۔ بڑی کمپنیاں اشتہارات کے زور پر مذموم ایجنڈا پورا کرتی ہیں۔ میڈیا اور سیٹلائٹ کے نظام کی اخلاقی کمزوریوں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ماضی میں بنگلہ دیش کے ایک طوفان کی خبر انتظامیہ کو اس لئے نہیں دی گئی کہ بنگلہ دیش اس سیٹلائٹ سروس کا باقاعدہ صارف نہ تھا۔ انہوں نے جامعہ گجرات کے فکری ماحول کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس یونیورسٹی نے مختصر وقت میں سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کو موضوع بحث بنا کر آزادئ اظہار کے رویے کو فروغ دیا ہے جو لائق تحسین ہے۔

صدر محفل پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین نے کہا اس سیمینار سے واضح ہوا کہ ہمارے ہاں میڈیا کی آزادی نہ خوش کن ہے اور نہ ہی مایوس کن۔ میڈیا کی آزادی دراصل کسی بھی سماج کے معاشرتی و سیاسی ڈھانچے میں موجود آزادی کے اجتماعی تصورات سے جڑی ہوتی ہے۔ ہمارے جیسے پسماندہ معاشروں میں موجود استحصالی نظام کسی بھی قسم کی آزادی کو پنپنے کا موقع نہیں دیتا۔ انہوں نے کہا کہ جامعہ گجرات آزادئ اظہار پر کامل یقین رکھتی ہے اور اس کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرتی رہے گی۔

بلاشبہ میڈیا رائے عامہ کی تعمیر و تخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آج کل اس کا سحر اس قدر ذہنوں پر چھایا ہوا ہے اور اس کی دی ہوئی خبروں کو اس طرح قبول کر لیا جاتا ہے کہ جیسے وہی کھلا سچ ہے۔ لہٰذا میڈیا کی آزادی کی بات کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ میڈیا کی مادر پدر آزادی قوم کے لئے اتنی نقصان دہ ہو سکتی ہے جتنی اس کی اہمیت ہے۔ لہٰذا میڈیا کو بے مہار رکھنا اور میڈیا والوں کی من مانی میڈیا کی آزادی کی مظہر نہیں ہو سکتی ہے۔ میڈیا کی آزادی کا مطلب ذمہ دار میڈیا ہے اور اس کے لئے سرکار و سماج کو ہی اسے آزادی نہیں دینا بلکہ اسے خود کو ذمہ دار ثابت کر کے میڈیا کی آزادی کا ضامن ہونا پڑے گا۔

(رپورٹ: پروفیسر شیخ عبدالرشید: بشکریہ ماہنامہ ”بدلتی دنیا“)

ہیومن رائٹس کمیشن کے ڈائریکٹر، دانشور اور صحافی آئی اے رحمان نے کہا کہ آزادئ اظہار اور آزادئ اطلاعات دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں آزادیاں ویسے ہی ناپید ہیں۔ یہاں سیاست کی تباہی نے سماج کو اور معاشرتی تباہی نے عوام کو برباد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ یہاں عوام کو اطلاع کے حصول کا شعور ہے اور نہ ہی اطلاع کے حصول کی آزادی حاصل ہے پاکستانی سماج کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لئے آزادئ اظہار کو یقینی بنانا ناگزیر ہے۔

ہمارے ملک میں ہماری تربیت اس انداز سے ہوئی ہے کہ ہم غلامی قبول کر لیتے ہیں۔ میڈیا کی آزادی بذات خود تب تک ناکافی ہے جب تک دیگر متعلقہ آزادیاں سماج میں موجود نہ ہوں۔ اصل آزادی یہ ہے کہ عوام تک سچ پہنچ سکے جو یہاں ابھی ممکن نہیں ہوا۔ میڈیا اور دیگر اداروں میں ارتقاء کی ضرورت ہے کیونکہ خام اطلاع عام کھلی ہوئی ادویات کی طرح مضر ہوتی ہے جو اطلاع تو دیتی ہے دانائی کا سبب نہیں بنتی۔

”مقتدر لوگ نیوز میڈیا کو جبر اور پروپیگنڈہ کے سیاسی آلے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور پروپیگنڈے کی نوعیت نفسیاتی ہے۔ ادھورے سچ اور نری مس انفارمیشن سے بھرپور ایک بہت کمرشل اور خودنمائی پر مبنی حکمت عملی پر عمل کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ جذبات کو اپیل کرتی ہے۔“ ٹریسا سٹوور

"The news media is being utilized as a political tool of suppresstion and propaganda by those in power, and propaganda is psychological in nature. Full of half-truths and utter misinformation, it's an arrogant and very commercial strategy that is implemented because it appeals to emotions."

Teresa Stover

سٹیزنز میڈیا واچ گروپس کی تشکیل اور جائزہ میٹنگز

راولپنڈی/اسلام آباد سٹیزن میڈیا واچ گروپ (CMG) کی جائزہ میٹنگ 19 مئی 2009 کو منعقد ہوئی۔ اجلاس میں موجودہ ملکی صورت حال میں CMG اور سوسائٹی فار آلٹرنیٹو میڈیا اینڈ ریسرچ (SAMAR) کو کیا کرنا چاہیے اور کیسے؟ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے شرکاء نے کہا:
جب اس ملک میں الیکٹرانک میڈیا کا آغاز ہوا تو لوگ بہت خوش ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ریاستی میڈیا کے یک طرفہ ابلاغ کے مقابلے میں پرائیویٹ میڈیا کے وجود میں آجانے سے لوگوں کو بہتر معلومات اور اطلاعات میسر ہونگی مگر جلد ہی یہ خوش فہمی ختم ہوگئی جب لوگوں نے دیکھا کہ پرائیویٹ ٹی وی چینلز کا ایجنڈا محض منافع کمانا اور لوگوں کو کارپوریٹ سیکٹر کے زیر اثر لانا ہے۔ بریکنگ نیوز کے نام پر جو اندھیر نگری پرائیویٹ میڈیا نے مچا رکھی ہے یہ غیر سنجیدگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ الیکٹرانک میڈیا میں صحافت کا معیار تکلیف دہ حد تک گر چکا ہے۔ اینکر پرسن اپنے چینل پر بلائے جانے والے مہمانوں کو بولنے کا موقع نہیں دیتے۔ سوات آپریشن کے حوالے سے شرکاء نے کہا کہ ٹی وی چینلز دو نقطہ ہائے نظر کو بیک وقت سامنے لا رہے ہیں۔ ایک طرف جماعت اسلامی اور تحریک انصاف جن کو پروجیکٹ کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف خود طالبان کے ترجمان اور صوفی محمد کو ہیرو بنایا جا رہا ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالعزیز کی رہائی کو الیکٹرانک میڈیا نے بہت زیادہ کوریج دی۔
شرکاء کے خیال کے مطابق سوسائٹی فار آلٹرنیٹو میڈیا اینڈ ریسرچ کو ان حالات میں متبادل طریقوں کو استعمال میں لاتے ہوئے سول سوسائٹی کا نقطہ نظر عوام کے سامنے لانے کی کوششیں تیز کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں شرکاء نے تجویز کیا کہ جہاں تک ممکن ہو کرنٹ ایشوز پر مبنی مواد اور اس پر عوام کی رائے کو بذریعہ لیف لیٹس، پمفلٹس، اخبارات میں آرٹیکلز اور خط بنام ایڈیٹر، نیوز لیٹرز وغیرہ کے ذریعے لوگوں تک دوسرے نقطہ نظر کو پہنچانے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔
شرکاء نے میڈیا کے منفی انداز ابلاغ پر کڑی تنقید کی تاہم ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل کے ایک دوست اس سے متفق نہ تھے۔ گو وہ اس سے متفق تھے کہ میڈیا میں اصلاح اور بہتری کی گنجائش ہے جس کے لئے ہمیں مل جل کر کوشش کرنی ہوگی۔
مظہر عارف نے شرکاء کو بتایا کہ SAMAR نے اب تک مختلف پبلیکیشنز شائع کی ہیں جو اس ضرورت کا احاطہ کرتی ہیں کہ میڈیا ڈیموکریسی کیوں ضروری ہے اور میڈیا لٹریسی سے کیا مراد ہے۔ SAMAR نے اردو اور انگریزی کے تین تین اخبارات کے جائزے پر مبنی ایک رپورٹ بعنوان "Newspapers Monitoring Report" بھی شائع کی ہے اسکے علاوہ دوماہی خبر نامہ "میڈیا مانیٹر" بھی شائع ہو رہا ہے۔
یہ خیال کہ آج کا پرائیویٹ الیکٹرانک میڈیا لوگوں کو زیادہ آگاہی دینے کا منبع ہے، اتنا درست نہیں ہے۔ تحریک پاکستان کے وقت قائد اعظم کے جلسوں میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے جلسے اور جلوس لاکھوں افراد پر مبنی تھے۔ پی این اے کی تحریک میں بھی لوگوں کا جم غفیر کس میڈیا کی آگاہی کا نتیجہ تھا۔ آج کا میڈیا عام لوگوں کی بجائے ریاست کو اور زیادہ طاقتور بنانے پر مامور ہے۔ میڈیا طالبان اور انتہا پسندوں کو ہیرو کے طور پر پیش کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ہر اینکر پرسن اور بزعم خود ماہر ٹی وی چینل پر آ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہماری بات پاکستان کے سترہ، اٹھارہ کروڑ لوگ سنتے سناتے ہیں۔ کیا کوئی ایسا نظام ٹی وی والوں کے پاس ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ پاکستان کی کتنی آبادی کی پرائیویٹ ٹی وی تک رسائی ہے، کتنی آبادی کو کیبل نیٹ ورک کی سہولت میسر ہے اور سولہ، سترہ یا اٹھارہ کروڑ کی آبادی میں عمروں کا تناسب کیا ہے۔ ان معلومات کی عدم موجودگی میں اس طرح کے دعوی میڈیا سے لوگوں کے اعتماد کو کمزور کرنے کا سبب بنتے ہیں۔
CMG راولپنڈی/اسلام آباد کے کنوینئر اقبال ڈھلوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سٹیزن میڈیا واچ گروپ کو عوام کے نقطہ نظر کو سامنے لانے اور میڈیا کا قبلہ درست کرنے کیلئے اپنی کوششوں کو اور زیادہ توانائی کے ساتھ جاری رکھنا ہوگا۔ پرائیویٹ میڈیا ایک انڈسٹری ہے جو صرف منافع کمانے کے ایجنڈے پر کام کر رہا ہے۔ اگر اس سے اتفاق کر بھی لیا جائے تب بھی اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہر منافع کمانے والی صنعت کے اپنے ضابطے اور اقدار ہوتی ہیں جن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ میڈیا خود اپنے ہی بنائے ہوئے ضابطوں کو روند رہا ہے اس لئے ہم لوگ مل بیٹھ کر اس کی اصلاح کی کوشش میں لگے ہیں اور ہمیں اپنا کام پوری ذمہ داری اور جانفشانی سے کرتے رہنا چاہیے۔
میٹنگ کے شرکاء نے درج ذیل تجاویز بھی پیش کیں:

- سٹیزن میڈیا واچ گروپس کے نیٹ ورک کو مضبوط اور موثر بنانے کیلئے کوششیں تیز کی جائیں
- پاکستان کے تمام بڑے شہروں کے پریس کلبز میں جا کر میٹنگ کا سلسلہ شروع کیا جائے
- میڈیا پرسنز کے ساتھ مسلسل ڈائیلاگ کیا جائے
- میڈیا مانیٹر کے طریقے، لوٹو وغیرہ کے حوالے سے CMGs کی تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے
- CMG اپنی میٹنگ میں mainstream میڈیا کے لوگوں کو بھی مدعو کرے
- ٹی وی چینلز پر اس موضوع پر بات چیت شروع کرانے پر توجہ دی جائے۔ کم از کم کسی ایک چینل پر یہ موضوع ضرور زیر بحث لایا جائے
- انٹرنیٹ پر اپنا Blog بنایا جائے
- ویب سائٹ کو موثر طریقے سے استعمال میں لایا جائے
- ایڈیٹر کے نام خطوط لکھے جائیں
- میڈیا واچ رپورٹ شائع کرنے کیلئے ابھی سے کام کیا جانا چاہیے
- ماس میڈیا ڈیپارٹمنٹس (Mass media Departments) سے ریسرچ رپورٹس حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا جائے
- ماس میڈیا یونیورسٹیز کے طلباء کو SAMAR ریسرچ کیلئے موضوعات دے
- APNS-CPNE کے ضابطہ اخلاق کا مطالعہ کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انہوں نے میڈیا کیلئے کیا اصول وضوابط بنائے ہیں
- میڈیا کے اپنے ضابطوں کا تفصیلی جائزہ لیکر ان پر عمل درآمد کیلئے دباؤ ڈالا جائے
- CMG اپنے طور پر اگر کوئی ہفتہ وار یا ماہانہ پرچہ خبر نامہ شائع کر سکے تو یہ بھی بہت بہتر ہوگا
- اردو اخبارات میں ایڈیٹر کے نام خط کی روایت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ SAMAR اور سٹیزن میڈیا واچ گروپس یہ سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کیلئے اخبارات سے بات کریں۔

ڈیرہ اسماعیل خان میں سٹیزنز میڈیا واچ گروپ کی تشکیل

میڈیا واچ کیلئے اجتماعی کوشش زیادہ مفید ہو سکتی ہے (ڈاکٹر شاہجہان)

ڈیرہ اسماعیل خان کے دوستوں کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد 27 مئی 2009 کو ایک میٹنگ کا اہتمام SAMAR اور FES نے مشترکہ طور پر کیا۔ SAMAR کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مظہر عارف نے اپنے ادارے کے بارے میں مختصراً بتایا۔ انہوں نے میٹنگ کے اغراض ومقاصد بھی بیان کئے اور شرکاء کو دعوت دی کہ وہ اس ضمن میں اپنے خیالات پیش کریں۔
گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان میڈیکل ٹیچنگ ہسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر شاہ جہان نے کہا یہ بڑا کام ہے صرف ایک ادارہ کیلئے بہت سی مشکلات ہو سکتی ہیں اس لئے اس کام کو سرانجام دینے کیلئے اجتماعی کوشش زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ میڈیا کا جائزہ لینے کیلئے ہمیں اس قسم کے گروپس کی اشد ضرورت ہے اور ہم SAMAR کے ساتھ ہیں۔
ڈیرہ اسماعیل خان کے سینئر صحافی اسلم اعوان نے کہا آج ہمارا میڈیا اس دور سے گذر رہا ہے جب ایک صحافی خود ہی فیصلہ کر لیتا ہے کہ کس واقعے کو خبر بنائے اور کس کو نہ بنائے جبکہ یہ ایک انتہائی ذمہ دارانہ کام ہے اس لئے میڈیا کی مانیٹرنگ بہت ضروری ہے۔ محترمہ سدرا نے کہا کہ میڈیا نے ہماری قوم کو الجھا رکھا ہے۔ آج کا میڈیا صرف خوف پیدا کر رہا ہے۔ ہماری قوم انفرادیت اور تنہائی کا شکار ہو گئی ہے۔ ایک نجی سکول کی وائس پرنسپل محترمہ شاداب نے کہا کہ میڈیا رہنما پیدا کرنے کی بجائے صرف پیروکار پیدا کر رہا ہے۔ آج کے میڈیا میں عام آدمی کی آواز نہیں، وہ ہماری ثقافت اور اقدار کو ختم کر رہا ہے اور صرف اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ہی کام کرتا ہے۔ پاکستان میں میڈیا چینل کی افزائش کے بعد لوگوں کا ٹی وی چینل سے اعتبار ختم ہوتا جا رہا ہے کیونکہ یہ ٹی وی چینل ہر خبر کو "بریکنگ نیوز" بنا دیتے ہیں۔
سیر حاصل گفتگو کے بعد ریڈیو پاکستان ڈیرہ اسماعیل خان کے اسٹیشن ڈائریکٹر فیاض بلوچ کی سربراہی میں شرکاء نے سٹیزن میڈیا واچ گروپ تشکیل دیا۔ اس گروپ کی سرگرمیوں کو ترتیب دینے اور فعال بنانے میں فیاض بلوچ کی معاونت کی ذمہ داری محترمہ سدرا نے قبول کی۔
آخر میں SAMAR کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مظہر عارف نے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے میڈیا لٹریسی اور میڈیا ڈیموکریسی کو واضح کیا اور ان موضوعات پر اس گروپ اور صحافیوں کی ٹریننگ کے بارے میں بتایا جو SAMAR کا اگلا قدم ہے۔ اس گروپ کی تشکیل کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے مظہر عارف نے کہا یہ گروپ آزادانہ طور پر کام کرے گا۔ اس گروپ کے ممبران اپنے طور پر اس کا کوئی بھی نام رکھ سکتے ہیں۔ SAMAR ہر طرح کی ٹیکنیکل مدد کے لئے تیار ہے جس میں میڈیا سے متعلق پرنٹ، آڈیو اور ویڈیو مواد شامل ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ گروپ اپنے شہر میں کسی کالج یا یونیورسٹی میں کوئی لیکچر وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے اور ہمیں مدعو کیا جاتا ہے تو SAMAR کی پوری کوشش ہوگی کہ اس میں شرکت کرے۔

ملتان میں سٹیزنز میڈیا واچ گروپ کی تشکیل

میڈیا احساسِ محرومی پیدا کر رہا ہے (ڈاکٹر کرامت علی)

28 مئی 2009 کو ملتان میں اس سلسلے کی پہلی میٹنگ منعقد کی گئی۔ یہ میٹنگ SAMAR اور FES اسلام آباد کے اشتراک سے اور ملتان کے دوستوں کی کوششوں سے ممکن ہوئی۔ میٹنگ کے آغاز میں شرکاء نے اپنا تعارف کرایا جس کے بعد SAMAR کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر مظہر عارف نے اپنے ادارے کا تعارف اور اس میٹنگ کے اغراض و مقاصد کے بارے میں مختصراً بتایا۔ انہوں نے کہا کہ میڈیا صرف پاکستان میں ہی ایسا نہیں ہے بلکہ پوری دنیا میں میڈیا کی یہی صورتحال ہے۔ جیسے دنیا میں سیاسی نظریات کی ایک جنگ ہے اسی طرح آج دنیا میں میڈیا کے مختلف نقطہ نظر کی بھی ایک جنگ ہے۔ باقی دنیا میں بھی لوگ ان مسائل کا شکار ہیں کہ میڈیا یک طرفہ ہے، طاقتور کیلئے ایجنڈا ترتیب دیتا ہے اور کارپوریٹ دنیا کی تشہیر کرتا ہے۔ اس لئے آج اس میڈیا کے نئے نام بھی سامنے آرہے ہیں جن میں کارپوریٹ میڈیا، رچ (Rich) میڈیا اور مک میڈیا (MC Media) یعنی تمام دنیا میں میڈیا کا ایک ہی کام یا ذائقہ ہے جیسا کہ McDonalds فاسٹ فوڈ وغیرہ کا۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل ہم میڈیا کے جبر میں رہ رہے ہیں۔ دنیا بھر میں میڈیا کو ریگولیٹ کرنے کیلئے مختلف ادارے موجود ہوتے ہیں۔ پریس کونسلز ہوتی ہیں، میڈیا میں اصلاحات کیلئے آواز اٹھانے کے فورم موجود ہیں مگر پاکستان دنیا کا شاید واحد ملک ہے جہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں، صرف ایک نام نہاد ادارہ جس کو PEMRA کہتے ہیں موجود ہے۔ یہ ادارہ صرف ٹی وی چینل اور ریڈیو کو مانیٹر کرتا ہے۔ پاکستان میں پرنٹ میڈیا کیلئے اس قسم کا کوئی ادارہ موجود نہیں، کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہے۔ پریس کونسل آف پاکستان کا آرڈیننس تو ہے لیکن عملاً پریس کونسل کہیں موجود نہیں۔ آج کے میڈیا میں عام آدمی کہیں نظر نہیں آتا صرف ایک خاص کلاس کے لئے کام کیا جاتا ہے۔

شرکاء نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے SAMAR کے اس کام کو سراہا اور کہا کہ کچھ لوگ جمہوریت کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور میڈیا اس پر نہ صرف خاموش ہے بلکہ ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ جاوید صاحب نے کہا کہ میڈیا میں اس تبدیلی کے لئے ایک تحریک کی ضرورت ہے۔ حیدر عباس گردیزی نے کہا میڈیا کارپوریٹ دنیا کا ایک بہت بڑا ہتھیار بن کر ابھر رہا ہے۔ ملک الطاف کھوکھر کے خیال میں پہلے میڈیا رائے عامہ کا کام کرتا تھا مگر آج اس کی کوئی سمت ہی نہیں ہے۔ آج میڈیا صرف "مصالحے" کا کام کر رہا ہے۔ سہیل جاوید نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میڈیا ایک مافیا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ محترمہ شائستہ بخاری نے خیال ظاہر کیا کہ سٹیزن میڈیا واچ گروپس کو میڈیا کے ساتھ روابط بڑھانے چاہئیں اور ان سے بات چیت کے دروازے کھولنے کی ضرورت ہے۔

آخر میں زکریا یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر کرامت علی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور SAMAR کے کام کو سراہا۔ انہوں نے کہا کہ آج کا میڈیا کارپوریٹ کلچر کی تشہیر نہیں کر رہا کیونکہ کارپوریٹ کلچر کے بھی کچھ قواعد و ضوابط ہیں۔ آج کا میڈیا تو بربادی کے کلچر کو بڑھاوا دے رہا ہے جس میں کوئی قانون و قاعدہ نہیں۔ میڈیا بغیر تصدیق کے خبریں مہیا کر رہا ہے۔ آج کا میڈیا احساس محرومی کو بڑھا رہا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تعلیمی ادارے اس سلسلہ میں بہت کچھ کر سکتے تھے مگر ابھی تک کچھ نہیں کیا۔ لیکن اب ہم اور آپ سب مل کر یہ کر سکتے ہیں کیونکہ اگر آپ نہیں کریں گے تو کوئی اور کرے گا کیونکہ یہ ہونا تو ہے، یہ قانون قدرت ہے کہ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ ویسے بھی اس ملک کے شہری ہونے کے ناطے یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ میڈیا کی اس منفی یلغار کو آپ سب مل کے روک سکتے ہیں اور اس کام میں کئی اچھے صحافی بھی آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔

سٹیزنز میڈیا واچ گروپ لاہور کی جائزہ میٹنگ منعقدہ 25 جون، 2009

اب جبکہ غالب میڈیا (Main stream media) کا کردار اور ترجیحات بہت حد تک لوگوں پر واضح ہو گئی ہیں اور SAMAR کے کام اور کردار کو بھی سراہا جا رہا ہے، ایسے میں سٹیزنز میڈیا واچ گروپس کو کس طرح فعال کردار ادا کرنا ہے تاکہ معاشرے کے مختلف طبقات اور گروہوں کی آواز غالب میڈیا میں اپنی جائز جگہ لے سکے۔ یہ میٹنگ موجودہ صورت حال میں اس امر کا جائزہ لینے اور اپنا موثر کردار ادا کرنے کے حوالے سے منعقد کی گئی۔ میٹنگ میں MAO کالج لاہور کے ماس کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ سے 9 طلباء و طالبات شریک ہوئے، ورکنگ جرنلسٹس 7 اور عام شہریوں میں سے 7 لوگوں نے شرکت کی۔

میٹنگ کے آغاز میں شرکاء کی طرف سے درج ذیل سوالات اُٹھائے گئے بعد ازاں انہی سوالات کے جواب دورانِ میٹنگ تلاش کئے گئے، سوال یہ ہیں:

گروپ کس طرح کام کرے؟ گروپ باہمی رابطے کو کیوں کر قائم کر سکتا ہے؟ گروپ اپنے طور پر کیا کیا کام کر سکتا ہے؟ SAMAR گروپ کی کیا مدد کر سکتی ہے؟

شرکاء نے سنجیدگی اور گرم جوشی کے ساتھ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کی مختصر روداد کچھ یوں ہے:۔

☆ الیکٹرانک میڈیا سیاست کی بات تو بہت کرتا ہے لیکن سوشل ایشوز نظر انداز کر دیتا ہے

☆ گروپ ممبران کا آپس میں رابطہ نہیں ہے۔ کام کرنے کیلئے سب سے پہلے ایک مضبوط گروپ کا ہونا ضروری ہے اس کے بعد ہم کسی بھی ایشو پر موثر طور پر کام کر سکتے ہیں یہ واضح کر لیا جائے کہ ہمیں کیا اور کون سی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے

☆ لوگ بالعموم وہ سب کچھ قبول کر لیتے ہیں جو میڈیا بتاتا ہے۔ لوگوں میں تنقیدی سوچ پیدا کرنے کی ضرورت ہے

☆ موجودہ میڈیا آزاد میڈیا نہیں بلکہ پرائیویٹ میڈیا ہے جو اپنے مفادات کے حصول کی خاطر کام کر رہا ہے۔ SAMAR کی آواز نے کسی نہ کسی حد تک اپنی آواز اس میڈیا اور حکومت وقت تک ضرور پہنچائی ہے

☆ لوگوں میں تنقیدی سوچ کا پیدا ہونا بہت ضروری ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس کیلئے کون سا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔ کیا اسی میڈیا کے ذریعے یہ کام ممکن ہے؟

☆ عام لوگوں سے رابطہ کیا جائے۔ ویب سائٹ کا بہتر استعمال ہمیں ان لوگوں تک لے جا سکتا ہے جسے عرف عام میں شہری طبقہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ کسی بھی تبدیلی کا آغاز اسی طبقے سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم میڈیا کے اس جدید ٹول کو جس میں ویب سائٹ، ای میل بلاگ وغیرہ شامل ہیں کا بھرپور اور موثر استعمال کریں جو ہمیں ان لوگوں تک لے جائے گا جو کہ فی الوقت ایک بڑی کامیابی ہو سکتی ہے۔

☆ قبل ازیں یہاں لاہور میں کراچی کے دوستوں نے بھی میڈیا واچ گروپ تشکیل دیئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس نوعیت کے کام کرنے میں گروپس کے ساتھ بنیادی کردار مدر آرگنائزیشن کا ہوتا ہے تب جا کر اس طرح کے گروپ موثر کردار ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ SAMAR فی الحال ان گروپس کو مکمل طور پر رضاکارانہ بنیاد پر نہ چھوڑے

☆ میڈیا public opinion بناتا ہے (یا بگاڑتا ہے) اور اگر میڈیا پرسن خود اس حوالے سے اس قدر شعور نہیں رکھتا تو اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ میڈیا پرسنز کے ساتھ روابط بڑھائیں جائیں اور ان کی مناسب تربیت کا انتظام کیا جائے

☆ یہاں قانون سازی تو ہو جاتی ہے مگر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ماس کمیونیکیشن میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے عملاً میڈیا میں وہ نظر نہیں آتا۔ نوجوانوں کو کام کرنے کے مواقع میسر نہیں ہیں، وہ کیا کریں۔ نئی نسل کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ آگے آنے کے مواقع فراہم کیے جانے چاہئیں

☆ مدر آرگنائزیشن گروپ بنانے کے بعد اس وقت پیچھے نہ ہٹے۔ اپنی میٹنگز میں لوکل ایڈیشنز کے ڈیسک انچارج کو بھی مدعو کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس حوالے سے اپنا کردار ادا کریں گے۔ ابھی تو ان کو یہ ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ لوکل ایڈیشن میں کن کن ایشوز کو شامل کریں۔ انہیں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ شائع کر دیتے ہیں۔ جب ان لوگوں کو ہم اپنی میٹنگز میں بلائیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ وہ کس قدر اہم رول ادا کر سکتے ہیں تو یقیناً مثبت نتائج سامنے آئیں گے

☆ پریس کیلئے ضابطہ اخلاق ہم شہری لوگ بنا کر میڈیا مالکان اور حکومت کو دیں ممکن ہے اس سے ڈائیلاگ کا آغاز ہو

☆ موجودہ میڈیا سے شہریوں کا حصہ مانگنا یہ ایک مشکل، صبر آزما اور اہم کام ہے جس کا بیڑہ SAMAR نے اُٹھایا ہے۔ پوری سوسائٹی میڈیا سے مرعوب ہے، جو مرعوب نہیں وہ خوفزدہ ہے۔ اپنے کام کی تفصیلی رپورٹ 6 ماہ یا ایک سال بعد شائع کی جانی چاہیے تاکہ خود SAMAR اور یہ گروپس اپنے کام کا جائزہ لیں اور آئندہ کام کرنے کی حکمتِ عملی کو اور بہتر طور پر استوار کرنے میں مدد مل سکے

☆ اس کام میں سیاسی جماعتوں اور پریشر گروپس کو بھی شامل کیا جائے۔ ایڈیٹر کے نام خطوط زیادہ سے زیادہ لکھے جائیں

☆ اس گروپ کے لوگوں میں سے ایک کمیٹی بنائی جائے جو پورے گروپ سے رابطے کی ذمہ دار ہو

☆ گروپ اپنے طور پر ماہانہ میٹنگز کا اہتمام کرے تاکہ اپنے فیصلوں کا جائزہ لیا جائے اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو سکے

☆ اب تک جو گروپ تشکیل دیئے جا چکے ہیں ان تمام گروپ ممبران کی تربیت اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے حوالے سے ایک ورکشاپ فوراً منعقد کی جائے تاکہ کام کرنے کے بارے میں clearity آئے اور کام کرنا آسان ہو جائے

گروپس کی تشکیل کمیونٹی کی سطح پر کی جائے جیسے سٹوڈنٹس، ورکنگ جرنلسٹس، ٹیچرز، ڈاکٹرز اور شہری وغیرہ۔ شرکاء نے کمیونٹی کی سطح پر درج ذیل دوستوں کو فوکل پرسن منتخب کیا:...... طلباء و طالبات: وسیم مرزا۔ زوبیہ شفیع۔ سول سوسائٹی آرگنائزیشنز: سلمان عابد۔ جرنلسٹس: تاثیر مصطفےٰ

بقیہ — ذمہ دار میڈیا کی تشکیل کیسے ہوگی؟

آزادی اور ذمہ داری دونوں متاثر ہوسکتے ہیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ ذمہ دار میڈیا کیسے وجود میں آسکتا ہے۔ اس سوال کے جواب کا ایک پہلو تو صحافیوں کی فکری و علمی گیرائی و گہرائی (intellectual depth) سے ہے۔ ہماری آج کی صحافت میں تحقیق کا فقدان واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ایک زمانے میں کہا جاتا تھا کہ تحقیق کا عمل محض انگریزی اخبارات تک محدود ہے لیکن اب انگریزی اخبارات کا حال بھی اتنا اچھا نہیں رہا۔ موجودہ صحافت کی بنیاد محض خبریت تک محدود ہے جس میں تحقیقاتی پہلو نہ ہونے کے برابر اور جذباتیت کا عنصر بھرپور ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تحقیقاتی صحافت کے لیے وقت، مہارت، معلوماتی پس منظر اور وسائل درکار ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں ان کا فقدان ہے کیونکہ اخباری مالکان کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی ایک اخبار محدود وقت میں ''گروپ آف'' بن جاتا ہے تو پھر مخصوص سہولیات اور تحقیق جیسی غیر ضروری چیزوں کا جھنجھٹ کون پالے۔ یہی وجہ ہے کہ میڈیا سے وابستہ کارکنوں کی تربیت کیلئے تربیتی ادارے نہیں ہیں۔ یونیورسٹیوں میں میڈیا کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ آج کے میڈیا کے تقاضوں کو کما حقہ پورا نہیں کرتی۔ صحافیوں کی تربیت کے حوالے سے سرگرم عمل پریس انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان لاہور، پاکستان پریس فاؤنڈیشن کراچی کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، یقیناً کچھ اور ادارے بھی ایسی خدمات فراہم کر رہے ہونگے پھر بھی ان کی تعداد ضرورت کے پیش نظر ناکافی ہے۔ سی پی این ای، اے پی این ایس اور صحافتی تنظیمیں اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکیں حالانکہ یہ ان کی بنیادی ذمہ داریوں کے زمرے میں آتا ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں میں شعبہ Mass Communication کو چاہیے کہ وہ ورکنگ جرنلسٹس کی تربیت کے حوالے سے مختلف شارٹ پروگرامز ترتیب دیں جن میں پیشہ ور سینئر صحافیوں اور اساتذہ کی مدد سے عصر حاضر میں میڈیا کی ضرورت کے مطابق صحافیوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے۔ الیکٹرانک چینلز کی بہتات سے میڈیا میں وسعت آنے سے بہت سے نئے شعبوں اور نئی مہارتوں کی ضرورتیں سامنے آئیں ہیں جن پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یونیورسٹیوں میں ماس کمیونیکیشن کے شعبے نہ صرف تحقیق بلکہ بہتر مانیٹرنگ کے عمل سے میڈیا میں خود احتسابی کے نظام کو تقویت دینے میں معاون و مددگار کا کردار بہتر طور پر ادا کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ذمہ دار میڈیا کو اجاگر کرنے میں سول سوسائٹی کے ادارے بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں، میڈیا کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتے ہیں، میڈیا واچ گروپ کا کردار نبھا سکتے ہیں۔ سول سوسائٹی کے یہ ادارے اپنی رپورٹس میں میڈیا کی کارکردگی کو عوام کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ اگر اس طرح کے ادارے میڈیا میں موجود خامیوں کی، چاہے وہ شعوری ہوں یا لاشعوری، نشاندہی کریں تو اس سے میڈیا میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ کچھ لوگ ان کی کارکردگی کو تحقیق اور سنجیدگی کی بنیاد پر نہ صرف دیکھ رہے ہیں بلکہ لوگوں کے سامنے پیش بھی کر رہے ہیں تو میڈیا میں ذمہ داری کا احساس مزید بڑھے گا اور بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔ محض میڈیا پر تنقید کرکے مسائل حل نہیں ہونگے بلکہ اس کیلئے سول سوسائٹی کے اداروں کو بڑی جامع منصوبہ بندی کرتے ہوئے ایک بہتر ورکنگ ریلیشن شپ میڈیا کے ساتھ بنانا ہوگی جو ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے میں مدد بھی دے اور اس کے بہتر نتائج بھی نکل سکیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ذمہ دار میڈیا کے تناظر میں اگر ریاست، حکومت، میڈیا تنظیمیں، میڈیا مالکان اور سول سوسائٹی مل کر کام کریں اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کی بجائے معاونت کریں تو اس سے میڈیا میں یقیناً بہتری آئے گی۔ میڈیا تنظیمیں اور ان سے وابستہ افراد سب سے پہلے اپنے اندر وہ حالات اور ماحول پیدا کریں جو آزاد میڈیا کے عملی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ اس کیلئے بنیادی ضرورت سیاسی کمٹمنٹ کی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ایک آزاد اور جمہوری میڈیا اسی صورت میں سامنے آئے گا جب ملک کے دیگر اداروں میں بھی جمہوریت اور رواداری کا کلچر پیدا ہوگا۔ اکیلا میڈیا سیاسی تنہائی میں جمہوری نہیں بن سکے گا اور نہ ہی لوگوں کی توقعات پر پورا اتر سکے گا۔ اس لئے جہاں ہمیں میڈیا کی آزادی اور اس کے ذمہ دار کردار کیلئے جدوجہد کرنا ہے وہیں اس عمل کو دوسرے اداروں کے ساتھ بھی جوڑنا ہوگا تاکہ ہم مجموعی طور پر جمہوری معاشرے کی جانب پیش قدمی کرسکیں۔

بقیہ — پاکستان میں متبادل میڈیا کی ضرورت کیوں؟

ان کی ضلع اور تحصیل کی سطح کی تو کوریج ہو جاتی ہے اور وہ بھی ان کے سربراہوں کی سیاسی حیثیت کے باعث لیکن دیہات اور شہری یونین کونسلیں اپنی کوریج سے محروم رہتی ہیں شاید لاہور اور کراچی میں بھی ایسی یونین کونسلیں موجود ہوں جن کی چار سالہ مدت میں کوئی ایک خبر بھی کسی بھی میڈیا پر نہ آئی ہو۔

ملک میں سماجی خدمت کے سینکڑوں اداروں اور این جی اوز کی بھی اس طرح کی شکایات عام ہیں۔ ملک کے تحقیقی علمی اور سائنسی ادارے جو تحقیق کر رہے ہیں وہ بلاشبہ ایک قومی اثاثہ ہیں ان کی خبر تو سالوں میں بھی شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہمارے اخبارات اور چینلز میں دینی مدارس کے خلاف آجکل پراپیگنڈہ تو بہت ہوتا ہے لیکن ان اداروں میں جہاں لاکھوں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ان کی ضروریات، مشکلات، یہاں ہونے والی تدریسی اور غیر تدریسی سرگرمیں، ان کے اساتذہ اور عملے کے مسائل اور طلبا کی مشکلات کب میڈیا میں جگہ پاتی ہیں؟ ملک میں موجود سینکڑوں ٹریڈ یونینز اور ایسوسی ایشنز کی بھی کوریج تو در کنار ان کا نام تک میڈیا میں نہیں آتا حالانکہ ان سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں میں اور ان کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ مثال خود عامل صحافیوں کی ہے جن کی پیشہ ورانہ تنظیمیں اور اخباری کارکنوں کی یونینز موجود اور موثر ہیں۔ ان کے مسائل، سرگرمیاں اور تقریبات بھی ہوتی رہتی ہیں مگر پوری دنیا کی خبریں لوگوں تک پہنچانے والے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کی اپنی آواز اس میڈیا میں موجود نہیں۔ ان کی کوئی خبر مالکان کی پیشگی اجازت کے بغیر شائع نہیں ہوسکتی۔ نیز چونکہ ان کے مطالبات میڈیا مالکان سے متعلق ہوتے ہیں اس لیے ان کی اشاعت تو ناممکن ہی ہے

ہر شہر اور قصبے میں ہر روز بیسیوں ادبی سماجی تعلیمی اور تفریحی تقریبات خوشی غمی کے معاملات اور تحریکی ریفرنس ہوتے ہیں مگر ان میں سے بمشکل چند کی کوریج ہو پاتی ہے۔ ادبی سرگرمیاں اور کتب کی تقریب رونمائی تو شاذ و نادر ہی اخبارات و چینلز میں جگہ پاتی ہیں۔ اخبارات و جرائد میں ملک کے لاکھوں طلبا و طالبات کی سرگرمیاں ان کے مسائل اور مشاغل کارتی بھر بھی شائع یا نشر نہیں ہوتا۔ قارئین کی آراء اخبارات میں مفقود ہوتی جا رہی ہیں جبکہ نشریاتی اداروں میں ابھی اس کا تصور بھی کم کم ہی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں موجود جاگیردارانہ اور سرداری نظام اور قبائلی ڈھانچے سے متعلق خبریں اور معلومات بھی کم ہی سامنے آتی ہیں۔ ناردرن ایریا کا حال تو یہ ہے جیسے وہ کوئی دوسرا ملک ہو۔ وہاں اخبارات اور چینلز کے نمائندے تک موجود نہیں۔ وہاں کے سماجی و سیاسی مسائل، موسم کے معاملات، کاروباری اور علمی سرگرمیاں اخبارات و چینلز کے قارئین اور ناظرین کے لیے ایسی ہیں جیسے کسی دور افتادہ افریقی ملک کی خبریں ہوں۔ PATA کا نام تک قارئین برسوں نہیں سن پاتے۔ ملک کی عیسائی، ہندو اور سکھ اقلیت کو ان کی تعداد کے اعتبار سے نمائندگی نہیں ملتی جبکہ پارسی اور بدھ مت کے ماننے والوں اور اسماعیلی ذکری، پرویزی، چکڑالوی فرقوں کی خبریں اور معاملات بھی کبھار ہی اخبارات یا چینلز میں جگہ پاتے ہیں۔ ملک کی بعض وزارتیں اور ڈویژن تک ایسے ہیں جن کی کارکردگی کا لوگوں کو بھی کچھ علم نہیں ہوتا۔ یہی حال بعض محکموں کا ہے جبکہ بہت سے وزراء اور ارکان اسمبلی و سینٹ کی خبریں صرف ان کی کامیابی یا انتقال کے دن شائع ہوتی ہیں۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو اپنی کوریج کم ہونے کی شکایت ہے مگر وہ مصلحتاً خاموش رہتی ہیں۔ بیشتر سیاسی جماعتوں کی محلہ اور یونین کونسل تک تنظیم موجود ہوتی ہے اور وہاں کوئی نہ کوئی سرگرمی بھی ہوتی رہتی ہے مگر سیاسی جماعتوں کی مرکزی یا صوبائی قیادت اور تنظیم کے سوا کسی کی کوئی کوریج نہیں ہوتی۔ سیاسی جماعتوں کی ضلعی سطح تک کی خبریں اور معاملات میڈیا کے ذریعے لوگوں کے سامنے نہیں آتے۔ سندھ کے اندرونی علاقے اور بلوچستان و سرحد کے دشوار گزار علاقوں کی کوئی خبر بھی سامنے نہیں آتی۔ یہ میڈیا کی کوریج سے محروم مختلف طبقات، شعبوں اور علاقوں کا ایک سرسری سا جائزہ ہے اگر تفصیلی کام کیا جائے تو اس سے بھی بُری صورت نکل کر سامنے آسکتی ہے۔ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ کوریج سے محروم ان طبقات کے مسائل و مشکلات اور سرگرمیاں میڈیا میں جگہ پائیں۔ مگر میڈیا میں جگہ اور وقت کی کمی کے باعث یہ بات تقریباً ناممکن ہے پھر میڈیا مالکان اور میڈیا کے کرتا دھرتاؤں نے بہت سے شعبوں، افراد اور اداروں کو محض اپنی پسند ناپسند کی بنیاد پر بلیک آؤٹ کر رکھا ہے اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی پریس کے ساتھ نیا میڈیا وجود میں آئے جو اپنے اپنے مخصوص شعبوں کی بھرپور نمائندگی کرے۔ اس طرح بڑی حد تک مختلف افراد، گروہوں، اداروں اور طبقات کا گلہ بھی دور ہوسکتا ہے اور اہل پاکستان کی خبر اور معلومات تک بہتر رسائی بھی ہوسکتی ہے۔ دنیا بھر میں قومی پریس کے ساتھ ساتھ سائنس، تعلیم، کھیل، تجارت، صنعت اور زراعت کے الگ الگ اخبارات کے علاوہ مختلف طبقات کی نمائندگی کرنے والے اخبارات و جرائد بھی موجود ہیں اور ان کے وجود کو قومی پریس کیلئے کوئی خطرہ نہیں سمجھا جاتا۔ ہر شخص کو اپنی پسند کے شعبے میں بھرپور معلومات مل جاتی ہیں۔ جس سے عوام کی تعلیم و تربیت کے ساتھ میڈیا کے لیے بہتر امکانات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے پاکستان میں بھی اس طرح کے پریس کا وجود میں آنا ایک صحت مند علامت ہوگی۔ جس سے نہ صرف زیادہ طبقات اور شعبوں کی میڈیا کوریج ہوسکے گی بلکہ صحت مند مقابلہ کی فضا صحافت کے معیار کو بھی بہتر بنائے گی۔

> ہماری آج کی صحافت میں تحقیق کا فقدان واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ایک زمانے میں کہا جاتا تھا کہ تحقیق کا عمل محض انگریزی اخبارات تک محدود ہے لیکن اب انگریزی اخبارات کا حال بھی اتنا اچھا نہیں رہا۔ موجودہ صحافت کی بنیاد محض خبریت تک محدود ہے جس میں تحقیقاتی پہلو نہ ہونے کے برابر اور جذباتیت کا عنصر بھرپور ہے۔

ٹائم میگزین کا پاکستانی میڈیا پر تبصرہ

ESSAY

Casualty of War

Instead of spreading information, Pakistan's media are fanning the flames of paranoia

BY ARYN BAKER

A FEW WEEKS AGO A GROUP OF PAKISTANI JOURNALists and foreign correspondents based in Pakistan gathered to meet visiting representatives of the Washington-based think tank Center for American Progress. Its members were "on a listening tour," they said, and wanted to hear the journalists' perspectives on the U.S. and Pakistan. The response was caustic. Correspondents and editors belonging to Pakistan's top local print and TV outlets let loose with accusations and complaints, particularly about American concerns that Pakistan was failing as a state. "There is no Taliban threat," said one Pakistani journalist. "Do you really think a bunch of hillbillies from the tribal areas can take on our military?" sneered another. "It's all propaganda," said a third, designed "to weaken us, so the U.S. can fulfill its agenda to break Pakistan into pieces."

In the course of my reporting on Pakistan, I hear conspiracy theories all the time: that the Pakistani Taliban fighting in Swat are funded by Indian intelligence; that the Americans are assisting the Taliban in Afghanistan to justify and secure a Central Asian foothold against China; and the old chestnut that Israel's Mossad and the CIA were behind the 9/11 attacks on the U.S. While no press in any country is without flaw or bias, I count on fellow journalists everywhere to be more enlightened and sensible than average folk. But in Pakistan's case, sections of the media are reinforcing the nation's paranoia at a critical time when it faces a threat to its very existence.

Rumor reported as fact is an epidemic in Pakistan. Very recently the English-language daily the *News* ran the front-page headline PLANS READY TO TAKE OUT PAK NUCLEAR ARSENAL. The unbylined story, about a secret U.S. commando force tasked with infiltrating Pakistan to secure its nuclear weapons, was based on a Fox News online report describing a worst-case-scenario contingency plan should Pakistan be taken over by extremists. There were no named sources in the *News* story, and much of the reporting depended on e-mailed comments to the website. Nevertheless, it fueled hysterical discussions on TV chat shows and cemented a national conviction that the Americans want to eliminate Pakistan's "Islamic bomb." Another furor erupted over a three-year-old American academic study that posited a greater Middle East divided along ethnic lines—proof, railed the Pakistani press, that the Americans were pursuing a policy of balkanization in the country. On May 18, the *Nation* published a story that said: "Former prime minister of Pakistan Benazir Bhutto was assassinated on the orders of the special death squad formed by former US vice-president Dick Cheney ... The squad was headed by General Stanley McChrystal, the newly appointed commander of US army in Afghanistan." The story was sourced to an interview by an unnamed Arab TV channel with American investigative journalist Seymour Hersh. Hersh immediately denounced the report as "complete madness" to another Pakistani paper, the *Daily Times*, saying, "Vice President Cheney does not have a death squad ... I have never suggested that [McChrystal] was involved in political assassinations or death squads." Yet at a press briefing the same day, Pakistan's Information Minister Qamar Zaman didn't rule out the possibility.

In 2002, the then President, General Pervez Musharraf, permitted private TV stations to broadcast news instead of just the state-owned Pakistan Television Corp. At the time, Musharraf's deregulation was hailed as a significant step for the nascent free-press movement; indeed, today there are more than 30 nongovernment TV stations in the country. As TV stations proliferated, I argued that increased competition would force the emergence of a strong, ethical and responsible media corps. But there simply aren't enough well-trained and -informed local journalists to supply the dramatically greater number of media outlets. I also assumed that consumers would gravitate toward truth. Instead the bulk of readers and viewers seem comfortable with sensationalism and xenophobia—as reflected by an April poll conducted by Gallup Pakistan revealing that 76% of Pakistanis "believe Pakistani media [are] unbiased to a great or somewhat extent." In other words, Pakistanis like their media the way they are.

Richard Holbrooke, the U.S. envoy to the region, is working on a media plan for Pakistan. It aims to develop the government's ability to disseminate information via new technologies such as cell phones. The idea is not to promote propaganda but to facilitate public-service messages, like emergency information or registration for refugees. The plan also allows for training government officials to become more open press officers, and to fund independent radio stations to counter those run by extremists. All this is good, but it's not enough. Pakistan's press needs to take a hard look at itself and its level of professionalism. Only then will it live up to its potential, and only then will Pakistan get the media it deserves. ■

" In day-to-day commerce, television is not so much interested in the business of communications as in the business of delivering audiences to advertisers. People are the merchandise, not the shows. The shows are merely the bait."

Robert Bresson

”روزمرہ کے کاروبار میں ٹیلیوژن کو کمیونیکیشن میں اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی کے ناظرین
کو اشتہار دینے والوں کے ہاتھ بیچنے میں ہے۔ قابل فروخت اشیاء (ٹاک) شو نہیں،
بلکہ لوگ ہیں (ٹاک) شو تو دراصل دانہ ڈالنا ہے۔“

رابرٹ بریسن

Society for Alternative Media and Research
204, 2nd Floor, Kiran Plaza, F-8 Markaz, Islamabad.
Phone: 051-2855011 / 022
email: mediamonitor@alternativemedia.org.pk
website: www.alternativemedia.org.pk

With the Co-opration of: FRIEDRICH EBERT STIFTUNG